پل صراط

رقیہ علی

ناول

رقیہ علی

پلِ صراط

نظریات کی جنگ لڑنا آسان نہیں ہوتا چاہے میدان جنگ ہو یا روزمرہ زندگی کا کوئی میدان آپ کو اس کے لیے پل صراط سے گزرنا پڑتا ہے۔عائشہ کو بھی آج کل پلِ صراط سے گزرنا پڑ رہا تھا۔عذرا آج صبح سے عائشہ کو کوس رہی تھی اور وہ چپ چاپ سن رہی تھی کیونکہ اس کے سوا وہ کیا کر سکتی تھی۔

متوسط طبقے میں عورتوں کی عادت ہوتی ہے بلکہ یوں کہیے کہ تربیت ہوتی ہے جو نسل در نسل ایک عورت اگلی نسل کی عورت کی کرتی آ رہی ہوتی ہے کہ اپنی بات کو منوانے کے لیے ہمیشہ یا تو بچوں کو گالی گلوچ کرتی ہیں یا پھر کوستی ہیں۔

عذرا نے کوسنے کا کام شروع کیا ہوا تھا۔

”جانے کہاں سے یہ ہونی میرے گھر میں پیدا ہوگئی ہے باپ تو اس کی ہر بات پر ہاں کرتا ہے۔یہ بھی نہیں پوچھتا ٹھیک ہے یا غلط۔“

کوئی بھلا پوچھے کبھی ایسا ہوا ہے کہ لوگ سر کی چھت بیچ کر بچوں کو تعلیم دلوائیں۔

یہاں کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے گھر بیچ کر بیٹے کو باہر پڑھنے بھیج دیا ہے اپنے ہی گھر میں کرائے پر رہ رہے ہیں۔

میرے تو نصیب ہی خراب تھے جب میں نے اس کو تعلیم دلوائی، اچھا ہوتا اگر دس پڑھا کر بیاہ دیتی آج یہ دن تو نہ دیکھنا پڑتا۔

بھلا پوچھو! کس چیز کی کمی ہے میری بہن کے بیٹے میں اپنی فیکٹری ہے نوکر چاکر ہیں لیکن نہیں مانتے نہ باپ نہ بیٹی۔

پتہ نہیں کونسا شہزادہ گلفام بیاہنے آئے گا میں بھی دیکھوں گی۔ یہ صرف خوش فہمیاں ہیں؟!

ارے شفیق احمد سن رہے ہو نا میری باتیں'' سانس لیتے ہوئے عذرا جو مسلسل بولے جا رہی تھی۔

وہ کیا سنتا؟ کیا نہ سنتا؟ چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا کیونکہ اس کے پاس ان باتوں کا کوئی جواب نہ تھا اور نہ ہی وہ کوئی جواب دینا چاہتا تھا کیونکہ یہ گھر میں نظریات کی جنگ تھی جس کو گولے بارود کی بوچھاڑ کیے بغیر سرد جنگ کے طور پر لڑنا تھا اس عورت کے ساتھ جس نے زندگی کے ہر مشکل وقت میں اپنی ذات کی نفی کر کے ساتھ دیا تھا۔

اندر کمرے میں عائشہ کا رو رو کر برا حال تھا کیونکہ عذرا مسلسل دو دن سے گھر میں لڑائی ڈالے بیٹھی ہوئی تھی۔

''کسی نے نہیں بیاہنے آنا شفیق احمد تمہاری بیٹی کو یہ تو صرف میری بہن کی محبت ہے جو اتنا پیار کرتی ہے ورنہ ہے کیا معمولی سی شکل و صورت کی مالک۔ اگر تم چاہو تو یہ مان سکتی ہے صرف تمہاری دی ہوئی شہہ ہے ورنہ اس کی کیا مجال جو یہ نہ کہے۔

ہمارے تو ماں باپ نے جہاں رشتہ جوڑا ہم نے وہاں پر ہی زندگی گال دی۔ مجھے تو یہ پڑھے لکھوں کی باتیں کبھی سمجھ نہیں آئی ہیں۔ زندگی گزارنے کے لیے ایک لڑکی کو روٹی کپڑا اور چھت چاہیے ہوتی ہے۔ پر نہیں باپ نے بچوں کے دماغ ہی خراب کر دیئے ہیں۔ عجیب عجیب باتیں کرتے ہیں...... انا، عزت نفس جانے یہ کس باغ کی مولی ہے۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتی ہیں۔ میرا کیا جانا ہے میں بول بول کر مر جاؤں گی۔ پر پتہ تو تب چلے گا جب بالوں میں چاندی آجائے گی اور کوئی پوچھنے والا نہ ہوگا پھر میری باتیں یاد آئیں گی۔ شوہر نے کبھی بیوی نہیں سمجھا تو بچوں نے ماں کب سمجھنا ہے۔ میں ان کی کون ہوں یہ تو سمجھتے ہیں پاگل بول رہی ہے اس کو بولنے دو۔ دو دن سے بول رہی ہوں مگر باپ بیٹی نے ایک بات کا بھی جواب نہیں دیا۔“

گھر میں اس قدر فساد برپا تھا پھر بھی وہ نہیں ہارا تھا انسان تب ہی دوسروں کے سامنے جھکتا ہے جب اس کا اپنا دل ہوتا ہے ورنہ انسان ہارنے والی چیز نہیں۔

جب وہ بول بول کر تھک گئی تو خود کے بال نوچنے لگ گئی تھی۔ شفیق احمد بھاگ کر آیا اور اس کو پکڑا۔

”پاگل ہو گئی ہو اگر وہ نہیں کرنا چاہتی تو تم کیوں اپنا بُرا حال کر رہی ہو۔“

اس کو دیکھتے ہوئے عذرا ”تمہارا سارا قصور ہے اگر تم اتنا نہ پڑھاتے تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“

وہ عذرا کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”دیکھو! بیگم اچھی بات نہیں کہ وہ غلط اور صحیح میں فیصلہ کر سکتی ہے؟ ویسے بھی تمہارا بھانجا پڑھا لکھا نہیں ہے۔“

فوراً سے بھڑک کر عذرا بیگم شروع ہو گئی تھی۔

"بس تمہاری انہیں باتوں نے اس کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اور کوئی بات نہیں۔ میں تو کہتی ہوں نکاح کر دو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی جب چڑیاں چگ جائیں کھیت تو کچھ باقی نہیں رہتا۔"

چونکہ شفیق احمد نے بچوں کو اصول وقواعد کے ساتھ رہنا سکھایا تھا اب خود کیسے توڑ سکتا تھا ویسے بھی اس کی رائے اور بیٹی کی ایک تھی۔

"نہیں میں ایسا نہیں کر سکتا" بیٹی کی حمایت کرتے ہوئے

وہ ماں کے لیے کھانا ڈال کر لائی اور دیتے ہوئے۔

"امی کھانا کھا لو آپ نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا۔"

غصے میں اپنی ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے۔

"اچھا ہے تم لوگوں کی جان چھوٹ جائے گی جب تک زندہ رہوں گی تم لوگوں کو دیکھوں گی تو اسی طرح جلتی بھنتی ہی رہوں گی۔ میں تو کہتی ہوں شفیق احمد مجھے طلاق دو اور اپنی شادی کسی پڑھی لکھی سے کر لو اور بدلے میں اس کی کر دینا۔ تم بھی میرے ساتھ کبھی خوش نہیں رہے۔ جو تم لوگ صحیح اور غلط کا رونا روتے رہتے ہو وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ ہر چیز میں کیڑے ہی نکالتے رہتے ہو۔

کون ایسا کرتا ہے؟

بیٹی کا تو رشتہ ہی آجانا غنیمت لوگ سمجھتے ہیں وہ بھی ہم جیسے لوگوں کے گھر جن کی چھت بھی اپنی نہیں ہے۔ باہر نکل کر دیکھو! لوگ کتنے پریشان ہیں اور تم لوگوں کو باتیں آرہی ہیں۔

ناشکرے لوگ۔"

”خدا کی بندی سب بہتر ہو جائے گا تم پریشان نہ ہو۔“تسلی دیتے ہوئے شفیق احمد۔
اس نے اس کو ایک بات سمجھائی تو وہ دوسری بات کی طرف آ گئی تھی۔ وہ کوئی نہ کوئی نقطہ نکال لیتی تھی۔
”کیسے پریشان نہ ہوں بیٹی کی ماں ہوں تم نے تو ساری زندگی میں ایک چھوٹا سا گھر بنایا تھا وہ بھی بیچ کر بیٹے کو پڑھنے باہر بھیج دیا اگر ہمیں کچھ ہو جاتا ہے تو کون پُرسانِ حال ہو گا اس کا۔ سوچا ہے تم نے! سمجھانے والے انداز میں عذرا“
جب عائشہ نے ماں سے لڑائی کے ساتھ ماں کی پریشانی کی کیفیت دیکھی تو خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔ کھانا لے جا کر اندر رکھ دیا تھا اندر زور سے رونا شروع کر دیا تھا۔
یہ سچ ہے جب انسان بے بس ہوتا ہے یا تو روتا ہے یا پھر مشکل صورت حال سے بھاگ جاتا ہے۔ وہ بھاگ تو نہیں سکتی تھی اس لیے اس نے رونے کو ہی غنیمت جانا اور اس کا سہارا لیا۔”خود سے ہی عائشہ یہ شعور انسان کو کتنی مصیبت میں ڈال دیتا ہے ایک طرف ماں اور دوسری طرف نظریات کی جنگ ہے۔ کیا کروں؟“
مسجد سے واپسی پر شفیق احمد اپنے ہمسائے کے ساتھ گھر کی طرف آ رہا تھا تو وہ اس سے لڑائی کے بارے میں پوچھنے لگا۔
”خیریت تو ہے بھابی دو دن سے پھر بڑے غصے میں ہیں۔ احمد صاحب کیا ہوا ہے۔“
وہ بڑے پرسکون انداز میں ”ساڈے ہتھ پیالہ زہر دا اساں ویلے دے سقراط۔“
شعر سننا تھا تو جیسے جمیل صاحب کو سانپ سونگھ گیا ہو ان کی بولتی بند ہو گئی تھی۔
ان کو چپ سادھے دیکھتے ہوئے شفیق احمد ”جمیل صاحب کیا ہوا بات سمجھ میں نہیں آئی۔“
”جی جناب! کہاں آپ کا فلسفہ سمجھ آنا تھا“ سر ہلتے ہوئے۔

”مطلب یہ ہے کہ آپ کی بھابی اور میری نظریات کی جنگ ہے اس کا خیال ہے میں نے بچوں کو انسان بنا کر غلطی کی ہے لیکن مجھے خوشی ہے کہ میرے بچے انسان بن گئے ہیں۔“

جناب! میرے تو خیال میں آپ نے بچوں کو مشکل میں ڈال دیا ہے۔ سمجھانے والے انداز میں جمیل صاحب۔ آپ نے تو زندگی گزار لی ہے لیکن وہ کیسے گزاریں گے۔“

اس کی تصدیق کرتے ہوئے شفیق احمد ”بات تو ٹھیک ہے لیکن انسان بننا میرے خیال میں بہتر ہے مشکلات سے ڈرنے کی بجائے“ اس دور میں کس کے پاس وقت ہے کہ آپ کو بیٹھ کر سمجھائے یا آپ کی زندگی میں دخل اندوزی کرے۔ لوگ ایک دوسرے سے فائدے یا نقصان تک تعلق رکھتے ہیں۔

”جیسے آپ کی مرضی“ جمیل صاحب مروت کا اظہار کرتے ہوئے ”آپ اپنی بیٹی کا بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔“

حالانکہ عذرا کو لگتا تھا کہ شفیق احمد اس کے لیے پریشان نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی فکر کرتا ہے لیکن وہ اس کے لیے فکر مند بھی ہوتا تھا اور پریشان بھی

عائشہ...... ”ماں کو کھانا دیا ہے۔“

”جی ابو دیا تھا لیکن امی نے نہیں کھایا۔“

”چلو! تم لاؤ میں کھلاتا ہوں ورنہ ویسے ہی مر جائے گی۔“

اس نے کھانا ڈال کر باپ کو دیا اور وہ عذرا کے پاس لے کر گیا۔

”نیک بندی! کھانا کھا لو۔ رزق سے کیا ناراضگی ہے۔ یہ جو ساتھ پیٹ لگا ہے یہ باتوں سے نہیں بھرتا۔“

دو دن سے بول بول کر اس کا بھی برا حال ہو گیا تھا۔ اب لہجے میں نرمی آ گئی تھی۔

”دیکھو! شفیق احمد تم غلطی کر رہے ہو۔ ہمارے بعد کون اس کا پرسان حال ہوگیا۔ میں اس کی ماں ہوں دشمن نہیں“

سمجھانے والے انداز میں وہ بھی نرم انداز میں ”تم کھانا کھاؤ اور اس کے لیے دعا کرو۔ سب ٹھیک ہوگا۔“

پھر غصے سے بھڑکتے ہوئے ”بس میرے سے دعائیں کرواتے رہنا خود کچھ مت کرنا۔ گناہ ہو جائے گا۔“

میں تو ماں ہوں دعا تو کروں گی لیکن کیا کروں دنیا بڑی ظالم ہے کچھ نہیں دیکھتی۔

اس کو تسلی دیتے ہوئے ”چلو! کھانا کھالو۔“

اس نے عذرا کو کھانا دیا اور وہ بھی چونکہ دو دن کی لڑائی کے بعد ہار گئی تھی اس لیے کھانا کھانا شروع کر دیا تھا۔

صرف باتیں ہی نہیں حالات بھی انسان کو توڑتے ہیں بلکہ یوں کہو انسان ٹوٹتا ہی تب ہے جب حالات برے ہوتے ہیں۔

یہ رات عائشہ کے لیے بڑی مشکل ہوگئی تھی صرف ماں کی لڑائی ہی نہیں بلکہ صورت حال بھی پریشان کن تھی اس کی شادی کی عمر بھی تھی اور کوئی اچھا رشتہ بھی نہ تھا اور نہ ہی کوئی اچھا رشتہ آنے کی امید تھی کیونکہ ان کے پاس تو اپنا گھر بھی نہیں تھا۔ ہمارے معاشرے میں اچھے رشتوں کے لیے پیسہ بہت ضروری ہے ورنہ آپ بھول جائیں کوئی آپ کا حال بھی پوچھے جو تھا وہ بھی انہوں نے توصیف کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لئے بیرون ملک بھیجنے پر لگا دیا تھا۔ شفیق احمد تو سرکاری ملازم تھا دوسرا ایماندار جو اس معاشرے میں بڑی برائی سمجھی جاتی ہے۔ اصول پسندی اور ایمانداری کا اس معاشرے میں بڑا قرض چکانا پڑتا ہے۔ وہ خود بھی اصولوں کی پابند لڑکی

تھی۔اس کا الگ سے حساب دینا ہوتا ہے۔وہ یہ سب سوچ سوچ کر رو رہی تھی روتے روتے وہ سو گئی تھی چونکہ پریشانی کے عالم میں سوئی تھی تو دماغ بھی چل رہا تھا۔اس نے خواب دیکھا۔

''وہ چلتی جا رہی ہے جیسے جیسے وہ چلتی جاتی ہے اندھیرا بڑھتا ہی جاتا ہے۔یہاں تک کہ بالکل اندھیرا چھا جاتا ہے کہ اس کو اردگرد کی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔لیکن اندھیرے کے باوجود وہ رکتی نہیں پھر بھی چلتی جاتی ہے۔آخر کار اس کے راستے میں روشنی کی پہلی کرن نظر آتی ہے۔پھر جیسے جیسے وہ آگے چلتی جاتی ہے آہستہ آہستہ روشنی ہونا شروع ہو جاتی ہے۔یہاں تک کہ ہر طرف روشنی ہی روشنی ہو جاتی ہے۔وہ خوش ہو جاتی ہے۔وہ خوشی کو محسوس کر رہی تھی کہ اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس نے ادھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو وہی کمرہ تھا۔اس میں ہر چیز ویسے ہی پڑی تھی۔مزید حیرت سے نکلنے کے لیے وہ اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اس نے دیکھا وہ بیڈ پر ہی لیٹی ہوئی تھی جیسے ہی اس نے تکیے پر ہاتھ رکھا تو اس کو تکیہ گیلا محسوس ہوا جو رات بھر رونے کی وجہ سے گیلا ہو گیا تھا۔

کیونکہ جب سیلاب آتا ہے تو اردگرد سب محسوس کرتے ہیں۔جب آنکھوں میں سیلاب آتا ہے تو وہ بھی اردگرد کی سب چیزوں کو آنے کا احساس دلاتا ہے۔آنکھوں کے کاجل کو تو بہا کر بھی لے جاتا ہے۔

اسے اپنے خواب کی سمجھ تو نہیں آئی تھی لیکن یہ محسوس ضرور ہوا تھا'' کہ دُکھوں کی لمبی رات کے بعد صبح ضرور ہوگی۔'' وہ اُٹھ کر غسل خانے گئی وضو کیا اور فجر کی نماز ادا کی۔دونوں ہاتھ اُٹھا کر اپنے رب کے حضور دعا کرنے لگی۔

''اے میرے رحیم و کریم رب تو ہی آزمائشیں ڈالتا تو ہی ہمیں ان آزمائشوں میں کامیاب فرما بے شک تو سب سنتا جانتا ہے۔''

اس کے بعد باورچی خانے میں جا کر ناشتہ بنانے لگ گئی تھی ناشتہ بنانے کے بعد باپ کو دینے گئی تو باپ نے بڑے پیار سے پاس بٹھالیا۔

شفقت اور محبت سے ہاتھ اس کے سر پر پھیرتے ہوئے تسلی دی ”بیٹی حالات اچھے برے آتے جاتے رہتے ہیں ان سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ انعام جتنا بڑا ہوتا ہے آزمائش بھی اتنی بڑی ہوتی ہے۔“

اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے ”میری بات سمجھ آئی۔“

اس کو تو باپ کے الفاظ ایسے لگے تھے جیسے اس کے خواب کا مطلب ہوں۔ وہ فٹ سے بولی۔ ”جی ابو! بڑی اچھی طرح سمجھ آ گئی ہے۔ لیکن کیا کروں؟ آخر کو ہم انسان ہیں پریشان تو ہو ہی جاتے ہیں۔“ وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی وہاں سے دوسری ٹرے میں ناشتہ چن کر ماں کے پاس گئی۔ جیسے ہی عذرا نے اس کو دیکھا یونہی بولنا شروع ہو گئی تھی۔

”لے جاؤ، ناشتہ مجھے نہیں کرنا۔“

”جب میری کوئی بات ہی نہیں ماننی تو کہاں کی میری اولاد۔ میری کوئی اولاد نہیں تم دونوں صرف باپ کے ہی ہو۔“

میری اس گھر میں حیثیت صرف ایک ملازمہ کی ہے جس نے تم دونوں کی پرورش کی۔

اگر مجھے پتہ ہوتا تم میرے ساتھ ایسا کرو گی تو میں دس پڑھا کر ہی تم کو رخصت کر دیتی۔

مجھے ہی شوق تھا میرے بچے پڑھ لکھ جائیں۔ میں نے پیٹ کاٹ کر تم دونوں کو پڑھایا لکھایا۔ مجھے بدلے میں کیا ملا؟

تم میری ایک چھوٹی سی بات نہیں مان رہی۔

وہ جو کھڑی ماں کی ساری کڑوی باتیں سن رہی تھی روتے روتے وہاں سے چلی گئی۔

ماں ہو یا کوئی اور کڑوے الفاظ اثر انداز ہوتے ہیں دل پر جا کر تیر کی طرح لگتے ہیں۔ دل میں سوراخ کر دیتے ہیں جن سے نکلنے والا خون کوئی نہیں دیکھ سکتا صرف خود کرو نظر آتا ہے اور اس خون میں کھڑی آنسوؤں سے دل کے زخم دھو رہی تھی کہ چولہے پر ابالنے والے چائے نے زخم دھونے کا کام ختم کر دیا۔ وہ آنسو صاف کر کے چائے کی طرف متوجہ ہوئی اور اس کو صاف کرنے لگ گئی تھی۔

اگلے دن ہمسائی لڈو لے کر ان کے گھر آئی تھی جس کے لڈوؤں نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ عذرا کو لڈو دیتے ہوئے خوشی سے ''میری بیٹی کی میری بہن کے گھر منگنی ہوگئی ہے۔''

''بہت بہت مبارک ہو'' خوشی سے عذرا۔

اس کا جانا تھا تو پھر سے عذرا شروع ہوگئی تھی۔ اس دن تو پھر انتہا ہی ہوگئی تھی۔

''میری بات یاد رکھو عاشو! (غصے سے نام بگاڑ کر) تم نے میرا دل دُکھایا ہے تم بھی زندگی میں کبھی سکھ نہیں پاؤ گی۔ تم جو شہزادے کے خواب دیکھتی ہو تم کو تو کوئی فقیر بھی بیاہنے نہیں آئے گا۔ تب تم کو یاد آئے گا تم نے اپنی ماں کے ساتھ کیا کیا تھا۔ بس یاد رکھو وقت گزرتے پتہ نہیں چلتا۔''

اتنی بددعائیں سن کر عائشہ کا رو رو کر برا حال ہوگیا تھا۔ بیٹی کو دیکھ کر شفیق احمد بھی پریشان ہوگیا تھا۔ ''اسے محسوس ہوا انتہا ہوگئی ہے۔''

بیوی کو تو کچھ کہہ نہیں سکتا تھا بس اُٹھ کر عائشہ کو تسلی دیتے ہوئے۔

''تم پریشان نہ ہوا گر بچوں کا قصور نہ ہو تو خدا بددعائیں بھی نہیں سنتا۔ تم تو بہت نیک اور با کردار لڑکی ہو۔ صرف فرق تمہارے اور تمہاری ماں کے نظریات ہی میں ہے۔ خدا کبھی تمہارے ساتھ کبھی برا نہیں کرے گا۔ یاد رکھنا۔ خدا بڑا رحیم و کریم ہے۔''

اس کے سر پر محبت سے ہاتھ رکھ کر چلا گیا۔

آج باپ کی بات کہاں سمجھ آنی تھی۔ آج تو کوئی مرہم اثر نہیں کر سکتی تھی۔ آنسو تھمنے کا نام نہیں لے رہے تھے ٹھنڈے فرش پر بیٹھی زار و قطار روئے جا رہی تھی نہ تو فرش کی ٹھنڈک محسوس ہو رہی تھی نہ باہر کی اس قدر تکلیف کے باوجود اپنے نظریات سے ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھی ایک مرتبہ ہارنے کا مطلب ساری عمر کے لیے ہار جانا ہے جو وہ کسی قیمت پر بھی نہیں چاہتی تھی۔

☆......☆......☆

ایک گھر میں رہنے کے باوجود تینوں ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے تھے عذرا ان کے ساتھ کچھ دن سے سرد جنگ لڑ رہی تھی۔ تو عائشہ نے نوکری کرنے کا سوچا ڈرتے ”میں نوکری کرلوں۔“

اس سے پہلے وہ کچھ بولتا جیسے ہی عذرا نے سنا کہ وہ نوکری کرنا چاہتی ہے تو فوراً سے بولی۔ ”ہمارے خاندان میں لڑکیاں نوکری نہیں کرتیں۔ چاہے پورا خاندان بھوکا مرجائے۔ اب یہ چاند چڑھنا رہ گیا تھا وہ بھی نکل آیا ہے۔“

پھر غصے میں طنزیہ انداز میں ”دو اجازت شفیق احمد! جلدی کرو۔ کوئی حسرت نہ رہ جائے۔“

ہاتھ ملتے ہوئے ”اے خدایا! یہ دن دیکھنے سے پہلے تم نے مجھے اُٹھا کیوں نہ لیا۔“

بولتے بولتے وہ چلی گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد عائشہ کو پاس بٹھا کر شفیق احمد پیار بھرے انداز سے کیونکہ وہ جانتا تھا آج کل اس کے دل کی کیا حالت ہے۔

”بیٹی میں تمہیں نوکری کرنے کی اجازت نہیں دوں گا جب تک زندہ ہوں میرے مرنے

کے بعد جو کچھ چاہے کرنا۔"

"دوسری بات ابھی میرے ہاتھ پاؤں سلامت ہیں میں تم کو کھلا سکتا ہوں۔ میں نوکری کرنے کے خلاف نہیں ہوں لیکن عورت کی عزت گھر کی چاردیواری میں ہی ہے۔"

باپ نے بات منطق کے ساتھ کی تھی اوراس کی بات میں وزن بھی تھا اس لیے وہ چپ ہوگئی تھی۔

مصیبت ہمیشہ اکیلی نہیں ہوتی اس کے ساتھ اور بھی ہوتی ہیں۔ دوسری مصیبت عمیر تھا۔ جیسے ہی عائشہ چھت پر کپڑے پھیلانے آئی تھی۔ وہ بھی آدھمکا تھا۔ اس کو تو جیسے عائشہ کی خوشبو آجاتی تھی۔ جیسے بلی کو دودھ کی خوشبو آجاتی ہے۔

وہ کھڑا ہو کر عائشہ کو دیکھنے لگا تھا تو اُس نے جلدی سے اپنے آپ کو تار کے کپڑوں کے پیچھے چھپالیا تھا۔

تو وہ بکواس کرنے لگا "آنا تو تم نے میرے پاس ہی ہے کب تک خود کو چھپاؤ گی۔"

"تمہارے پیچھے چلتے چلتے بچپن سے جوانی آ گئی ہے۔ لیکن یار! تم بڑی بے مروت ہو ابھی تک لفٹ نہیں کروائی۔"

وہ کپڑوں کے پیچھے کپڑے ڈالتے ہوئے خود سے......

"ایک گھر میں قیامت برپا ہے دوسرا یہ۔"

"نجانے کب یہ مصیبت ٹلے گی۔"

خود کو سنبھالتے ہوئے بڑی ہمت کر کے اس کے سامنے آ گئی۔ اس نے منہ دوپٹے سے ڈھانپا ہوا تھا۔

ہاتھ جوڑتے ہوئے......

”میرے بھائی! مجھ پر رحم کرو۔ میں پہلے ہی بڑی مصیبت میں ہوں۔“

اس کی فریاد میں درد اس قدر تھا اوپر سے اس کا انداز جیسے جان نکال لے گا۔

وہ لرز گیا تھا کچھ کہے سنے بغیر چپ چاپ نیچے کو چل پڑا جیسے کسی نے برف لگا دی ہو۔

دراصل اتنے دنوں کے حالات نے اس کے لہجے میں درد بھر دیا تھا۔ جو ہر سننے والا محسوس کر سکتا تھا۔ حالانکہ عمیر کوئی ایسا لڑکا نہیں تھا۔ جس کی نظر میں لڑکیوں کی کوئی عزت ہو۔ لیکن عائشہ کے ٹوٹے دل کی فریاد نے اس پر اثر کیا تھا۔

لڑائی کرتے کرتے عذرا تھک گئی تھی تو اُس نے عائشہ اور شفیق احمد سے بائیکاٹ کر لیا تھا۔ اگر دونوں باپ بیٹی صحن میں بیٹھے ہوئے تھے تو وہ ان کو دیکھ کر وہاں سے ہی پلٹ جاتی تھی۔ عذرا بیٹھی کچن میں ناشتہ کر رہی تھی جیسے ہی عائشہ اندر آئی وہ کھانا اُٹھا کر سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شفیق احمد رات کو سونے کے لیے کمرے میں آیا تو وہ تکیہ اور چادر لے کر دوسرے کمرے میں جا کر سو گئی۔

مگر اس لاتعلقی میں وہ بہت پریشان اور دباؤ میں تھی طبیعت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ مگر اُن کو کچھ نہیں بتاتی تھی بلکہ چھپا جاتی تھی۔ ایک دو مرتبہ ہمسائی کے ساتھ ڈاکٹر پر بھی گئی لیکن گھر میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔

ایک دو مرتبہ تو عائشہ کو بھی لگا کہ بیمار اور کمزور ہو رہی ہے۔ شفیق احمد بھی محسوس کر رہا تھا اور پریشان بھی ہو رہا تھا کہ اس لاتعلقی کی وجہ سے وہ خود کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ اس بات کو نہیں سمجھتی کہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ خود کو اذیت دے رہی ہے۔“ اس نے عذرا کو سمجھانے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے شفیق احمد کی ایک بات نہیں سنی

اچانک کچن سے نکلتے ہوئے عذرا گر گئی۔ ماں کو دیکھ کر عائشہ کے ہوش اُڑ گئے وہ سب

بھول گئی کہ کیا ہوا تھا اور کیا نہیں۔ وہ زور سے چیخی امی......

اس کی آواز سن کر شفیق احمد بھاگ کر آیا۔ اس کو اٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ فوری طور پر تو اس کو ابتدائی طبی امداد دی گئی اور ڈاکٹر نے کچھ ٹسٹ کروانے کو کہا۔

جیسے ہی وہ ٹسٹ کروانے جانے لگا تھا عذرا اُسے منع کرتے ہوئے......"مجھے پتہ ہے مجھے کینسر ہے وہ بھی آخری سٹیج پر لیکن میں نے تمہیں نہیں بتایا کیونکہ میں جانتی ہوں تمہارے پاس کچھ نہیں۔"

میں عائشہ کی شادی بھی اسی وجہ سے جلد از جلد کرنا چاہتی تھی ورنہ میں جانتی ہوں وہ عائشہ کے قابل نہیں اور ہم نے پیٹ کاٹ کر بچوں کو پڑھایا ہے۔

وہ اس کو حیرت سے دیکھتا جا رہا تھا شاید کہ آج پہلی مرتبہ اس سے مل رہا تھا حالانکہ اس نے اس کے ساتھ مشکل سے مشکل حالات کا سامنا کیا تھا۔ اس نے دیکھا ماں کیا ہے؟ "بس اس لیے اتنے دنوں سے لڑائی کر رہی ہوں تا کہ اس کی شادی ہو جائے۔ ہمارے بعد اُس کو کون دیکھے گا۔"

"میں ماں ہوں کیا کروں تم مجھے بتاؤ؟"

"مجھے پتہ ہے کوئی اچھا رشتہ نہیں آنے والا۔ کون آئے گا۔ نا کوئی تمہارے جاننے والوں میں ہے نہ ہی میرے جاننے والوں میں۔"

وہ جانتا تھا یہ سب سچ ہے لیکن اس کے پاس کوئی حل نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ چپ چاپ اس کو سنتا۔

"شفیق احمد! بیٹی کا نکاح پڑھا دو میں نے مرجانا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک وقت آئے اس کے سر پر چھت بھی نہ ہو اور درندے اس کے پیچھے لگے ہوں۔"

"یہ یاد رکھنا میں نے دنیا دیکھی ہے جس دن تمہاری بیٹی کو کسی درندے نے دیکھ لیا وہ اس کے پیچھے پڑ جائے گا۔ یہ ماں کی بددعا نہیں تھی بلکہ حقیقت تھی اس لیے وقت ویسا ہی آیا۔

کیونکہ ماں دل سے بددعا نہیں دیتی۔ ایک بددعا کے ساتھ سو دعائیں دیتی ہے۔ اس لیے ماں کی بددعا سے زیادہ دعا لگتی ہے۔

اب عذرا کی حالت روز بروز بگڑ رہی تھی ماں کی باتیں کہاں یاد رہتی ہیں۔ عائشہ اور شفیق احمد نے بھی بہت خدمت کی۔ اس نے تو شفیق احمد کا زندگی کے ہر موڑ پر بہت ساتھ دیا تھا۔

وہ ساری عمر نظریات کی جنگ لڑتا رہا تھا اس لیے دوست کم اور دشمن زیادہ تھے۔ یوں اُس نے اپنا قیمتی دوست ایک ماہ میں کھو دیا۔ جو آخر میں دشمن اس کو لگنے لگا تھا۔

یوں عذرا ایک ماہ میں ختم ہوگئی تھی۔

اس کو یاد کرتے ہوئے ٹھنڈی آہ اس نے بھری دو آنسو آنکھوں سے نکلے جو شاید کبھی نہیں نکلے تھے۔

"بے شک انسان مٹی سے بنا ہے اور مٹی میں ہی خاک ہو جانا ہے اس کو۔"

اس کی موت کے ساتھ شفیق احمد کی زندگی کا ایک اور باب ختم ہو گیا تھا۔



باپ دفتر چلا جاتا تھا اور عائشہ گھر میں اکیلی ہوتی تھی۔ سارا دن گھر میں مصروف ہونے کے باوجود وہ اپنی ماں کی یادوں سے دور نہیں ہو پائی۔ کبھی اسے اس کی ماں کچن سے نکلتی اور کبھی بستر پر لیٹی، کبھی صحن میں چلتی نظر آتی تھی وہ خود کو بہت ملامت کرتی تھی کہ وہ ان کو کوئی خوشی نہیں دے پائی۔

خود سے ہی "یہ سچ ہے نہ صرف ابو بلکہ امی نے بھی ان کے لیے بہت محنت کی ہے لیکن وہ

آخر میں بہت ہار گئی۔ دیکھو! ابو کب ہمت ہارتے ہیں یا پھر ہم دونوں بہن بھائیوں کو کامیاب بناتے ہیں۔ اس کا فیصلہ تو وقت ہی کرے گا۔"

وقت ہر غم کا مرہم ہوتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ غم کی شدت کم ہوتی جاتی ہے یوں آہستہ آہستہ وہ بھی ماں کے غم کو بھولنے لگی۔

ہر باپ کی طرح شفیق احمد بھی زندگی کی دوڑ میں شامل ہو کر بیٹی کے اچھے مستقبل کے خواب دیکھنے لگا اور اس کے لیے منصوبے بنانے لگا کہ یا تو بیٹی کو باہر بھیج دو یا اس کے لیے اچھا رشتہ دیکھ کر شادی کر دو۔"

اس نے اچھے رشتے کے لیے اپنے دوست احباب سے بھی کہا لیکن قدرت کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے۔ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

دوسرا جب آپ نے زندگی کے اصول وضوابط بنائے ہوتے ہیں تو پھر ان کی آزمائش بھی ہوتی ہے پلیٹ میں پڑا سب کچھ نہیں ملتا۔ اگر پلیٹ میں پڑا چاہیے تو پھر عام انسانوں کی طرح زندگی گزار دو۔ زمانے کے ساتھ اصول بھی بدلتے رہو۔ ورنہ امتحان کے لیے تیار رہو۔

دروازے پر دستک سن کر عائشہ دوڑ کر گئی تو سامنے کرن کھڑی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی......

"کیسے آنا ہوا کرن۔"

مٹھائی کی پلیٹ اس نے عائشہ کے ہاتھ میں دی اور خوشی سے "میرا رشتہ طے ہو گیا ہے۔"

"کہاں۔"

"خالہ کے گھر۔"

"بہت بہت مبارک ہو۔"

ہنستے ہوئے کرن "تم کو پتہ ہے عمیر بھائی کا بھی میرے ساتھ ہو گیا ہے۔"

لمبی سانس لیتے ہوئے عائشہ "بہت اچھی بات ہے۔"

وہ چونکہ عائشہ سے بہت پیار کرتی تھی۔اس نے عائشہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پلیز پلیز!تم ضرور آنا۔"

اُس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑوا کر اندر جاتے ہوئے

"تم کو تو پتہ ہے میں کہیں نہیں جاتی۔"

اس کے پیچھے اندر جاتے ہوئے کرن......

"لیکن تم کو آنا ہوگا ورنہ میں خود لینے آجاؤں گی۔"

اُس کو ٹالتے ہوئے۔

"اچھا چلو!دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔"

"اچھا چلو!بتاؤ چائے پیو گی۔"

خوش ہو کر "ضرور کیوں نہیں۔نیکی اور پوچھ پوچھ۔"

دونوں کچن میں جا کر چائے بنانے لگ گئی اور ساتھ ساتھ امی کی باتیں شروع ہو گئی تھیں۔

عائشہ چھت پر کپڑے پھیلانے گئی تھی تو عمیر بھی اپنی چھت پر آ گیا تھا۔پھر دیوار کے قریب آ کر۔

"بہن میری پہلی ساری غلطیوں کو معاف کر دینا۔میں ان کے لیے شرمندہ ہوں۔"

وہ حیرت سے اس کو دیکھنے لگ گئی جیسے کوئی انہونی ہو گئی تھی اس کو اس سے اس قسم کے رویئے کی اُمید نہ تھی۔

"پتہ نہیں آپ نے اس دن کس انداز میں بات کی لیکن اس نے میرا دل ہلا دیا ہے۔"

وہ بولے جا رہا تھا اور وہ اس کو دیکھ رہی تھی۔

"آئندہ زندگی بھر آپ کو تنگ نہیں کروں گا بلکہ بھائی بن کر دکھاؤں گا۔ بس آپ سے ایک درخواست ہے آپ میری شادی پر ضرور آنا۔"

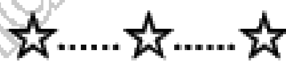
خود کو سنبھالتے ہوئے اور حیرت سے نکل کر۔

"پہلے میں نے تو سوچا تھا کہ میں نہیں آؤں گی لیکن اب ضرور آؤں گی۔"

اس کے الفاظ نے جیسے عمیر کی شرمندگی کو ختم ہی کر دیا تھا اور سکون دے دیا

"میں منتظر رہوں گا۔"

پرسکون انداز میں نیچے چلا گیا اور وہ بھی مطمئن ہوگئی تھی۔ ان کے گھر میں شادی کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کرن کسی نہ کسی کام سے عائشہ کے پاس آتی رہتی تھی عائشہ بھی بڑی خوش کر دیتی تھی۔



پہاڑی علاقے سیر و تفریح کے لیے بہترین جگہ ہیں امیر زادے اپنے دوستوں کے ساتھ مستی کے لیے ان ہی علاقوں میں جاتے ہیں اگرچہ فیملیاں بیرونِ ملک جاتی ہیں۔ ان علاقوں کے رہنے والے لوگوں کے لیے ذریعہ معاش بھی ہیں۔ یوں خدا نے سب کو ایک دوسرے کے لیے وسیلہ بنا دیا ہے۔ اپنے دوستوں کے ساتھ باذف بھی ان علاقوں کی خوبصورتی سے لطف اندوز ہونے کے لیے آیا تھا۔ وہ پھرتے پھراتے سڑک کی طرف نکل کر آئے تو ان میں سے ایک نے سڑک پر لگے بورڈ کو دیکھا جس پر لکھا تھا "قسمت کا حال جانئے۔"

ان میں ایک "چلو ہاتھ دکھاتے ہیں۔"

لاپرواہی سے باذف۔ "مجھے نہیں دکھانا انسان اپنی قسمت خود بناتا ہے۔"

دوسرا ”چلتے ہیں یار۔“

”یقین کرنے کی کیا ضرورت ہے Just for fun “اس طرح باری باری سب اصرار کرنے لگ گئے تھے پھر دوستوں کی بات ماننی پڑتی ہے۔

منہ بنا کر لاپروائی سے۔ ”چلو! شوق پورا کرلو۔“

سب اس کے پاس چلے گئے کیونکہ بازف نے اجازت دے دی تھی وہی سب کا سردار تھا۔سب نے باری باری ہاتھ دکھایا لیکن بازف نے نہیں۔

سب نے اصرار کر کے بازف کا ہاتھ بھی دکھا دیا۔جیسے ہی اس نے بازف کا ہاتھ دیکھا وہ چونک گیا۔اور غور غور سے دیکھنے لگا۔

اس کے دیکھنے کے انداز نے سب کو حیرت کر دیا اور وہ اس میں دلچسپی لینے لگے۔

”تمہاری زندگی میں ایک بہت بڑی آزمائش ہے جس پر تمہاری آئندہ ساری زندگی کا انحصار ہے۔اگر کامیاب ہوئے تو وہ چیز ملے گی جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے لیکن اگر ناکام ہوئے تو سب کچھ ہار جاؤ گے۔“

نجومی کی بات نے اس پر بھی اثر کیا وہ جھٹ سے بولا۔ ”کیا آزمائش۔“

”میں نہیں جانتا صاحب یہ تو اللہ ہی جانتا ہے لیکن ایک بات ہے ہلا دینے والی۔“

”تمہارے ہاتھ کی لکیریں بتاتی ہیں تم اصول پسند بندے ہو تو جیتنے کی اُمید زیادہ ہے۔“

کوئی اُٹھ کر اتنی بڑی بات کر دے تو اثر تو ہوتا ہی ہے چاہے آپ یقین کریں یا نہیں۔

اس لیے بازف پر بھی نجومی کی بات نے اثر کیا اور وہ ساری رات کروٹیں بدلتا رہا تھا۔

مہندی کی رات کرن عائشہ کو خود لینے آئی تھی شفیق احمد نے بھی اس کو جانے کے لیے کہا۔

”جی ابو! میں جا رہی ہوں۔“

”یار! جلدی کرو۔“

”بس ابو کو چائے دے دوں میں تیار ہوں۔“

وہ شفیق احمد کو چائے دے کر کرن کے ساتھ چلی گئی دونوں کو دیکھتے ہی عالیہ بیگم......

”اتنی دیر لگا دی۔“

”ماشاءاللہ! بہت پیاری لگ رہی ہو۔“ عائشہ کو دیکھتے ہوئے۔

وہ بھی محبت بھری نظروں سے اپنایت کا اظہار کرتے ہوئے۔

”شکریہ! خالہ۔“

سب نے کرن کو اور عمیر کو مہندی لگائی عائشہ نے بھی لگائی۔

تقریب کے بعد عائشہ گھر جا رہی تھی تو دروازے کے باہر عمیر اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا تھا ان میں اس کا دوست اختر نواز بھی تھا جس کو وہ خدا حافظ کر رہا تھا۔ عائشہ نے اپنا منہ دوپٹے سے ڈھانپا ہوا تھا لیکن اختر نواز اس کی آنکھوں کو دیکھتا ہی رہ گیا تھا۔ چونکہ عائشہ کا گھر تین گھر چھوڑ کر تھا۔ اختر نواز اس کو گھر میں داخل ہونے تک دیکھتا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی اختر نواز اپنے ملازموں کی فوج کے ساتھ عمیر کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اختر نواز سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا اس کی بیوی اس کے پیچھے گئی۔

”کھانا نہیں کھائیں گے؟“

”نہیں میں کھانا کھا کر آیا ہوں۔“

دولت مند ہونے کے باوجود اختر نواز اس علاقے میں رہتا تھا کیونکہ اس کے باپ دادا اس علاقے میں رہتے آ رہے تھے اور ان کی یہاں بہت عزت تھی۔ وہ لوگوں سے بڑے مروت ولحاظ سے ملتا تھا جہاں ضرورت پڑتی مروت ولحاظ میں قربان بھی کر دیتا تھا اور لوگوں کو

اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا۔لوگوں کے مسائل حل بھی کر دیتا تھا اور قیمت بھی وصول کر لیتا تھا۔ شادی میں اختر نواز نے بڑے اہتمام سے شرکت کی لیکن اس دوران اس کی نظر عائشہ پر ہی تھی۔

ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے بازف۔''ماما! ناشتہ۔''

''پروین! بازف کو ناشتہ دو۔''

''جی بیگم صاحبہ! لاتی ہوں۔''

''بازف کیسا رہا تمہارا ٹرپ۔''

نجومی کی بات کو یاد کرتے ہوئے۔''ماما وہاں پر عجیب واقعہ ہوا تھا۔''

عجیب کا نام سن کر نفیسہ بیگم کے چہرے کے تاثرات بدل گئے''کیا مطلب؟''

''ماما! میں نے وہاں پر ہاتھ دکھا لیا تھا۔''

حیرت سے''تو کیا ہوا۔''

''ماما! اس نجومی نے بتایا میری زندگی میں ایک بہت بڑی آزمائش آئے گی۔میرے آئند کی زندگی اس آزمائش کی کامیابی یا ناکامی پر depend کرتی ہے۔''

اگر نفیسہ بیگم کا تعلق اپر کلاس سے تھا لیکن وہ بڑی خدا ترس، رحم دل اور عاجز خاتون تھی۔

پرسکون انداز میں۔

''ہوسکتا ہے یہ واقعہ ہی تمہاری زندگی بدل دے۔مجھے یہ تمہاری فضول activities پسند نہیں ہیں۔''

''لیکن ماما ہماری کلاس میں یہ ساری عام باتیں ہیں۔پتہ نہیں آپ کو کیوں پسند نہیں ہیں۔''

”بیٹا! راتوں کو پارٹیوں میں جانا مجھے انتہائی ناپسند ہے۔ تمہارے باپ کو بھی میں نے اس لیے چنا تھا کیونکہ وہ ہماری سوسائٹی کے باقی لوگوں کی طرح نہیں تھے۔“

”بس اپنے باپ کی یہ بات یاد رکھنا گناہ کی معافی ہے لیکن ظلم کی کوئی معافی نہیں۔“

چونکہ وہ بھی ان والدین کی اولاد تھا اس لیے ان کے اصول وقواعد کو دل و جان سے مانتا تھا۔

”جی ماما!...... میں اِس بات کو کبھی نہیں بھولتا اور نہ ہی زیادتی کرتا ہوں۔“

اس دوران پروین ناشتہ لے کر آئی اور اس نے ناشتہ شروع کردیا بیٹے کی ہمت بڑھانے اور اس کو مضبوط بنانے کے لیے نفیسہ بیگم نے تسلی دی۔

”اصول نہیں توڑو گے تو کچھ نہیں ہوگا۔“

دروازے کی گھنٹی بجی تھی عمیر دروازہ کھولنے باہر آیا تو اختر نواز کی گاڑی دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔

ملازم بڑے ادب سے ”عمیر صاحب اختر نواز صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔“

عمیر اس کے پاس آیا تو اس نے گاڑی کا شیشہ نیچے کیا۔

”آؤ گاڑی میں بیٹھو۔“

وہ دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ ڈرائیور نے گاڑی چلائی اور ان کو فارم ہاؤس لے گیا۔ وہاں جا کر اختر نواز نے سارے ملازموں کو وہاں سے جانے کو کہا اور وہ چلے گئے۔ عمیر کے قریب ہو کر ”مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔“

اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کیا بات کرنے والا تھا لاپرواہی سے ”بتاؤ کیا بات ہے جس کے لیے اس قدر رازداری ہے۔“

”مجھے تمہاری شادی پر ایک لڑکی پسند آئی ہے۔“

لڑکی کا نام سنتے ہی عمیر چوکنا ہو گیا اور توجہ سے اس کی طرف دیکھنے لگا ”کونسی۔“

”میں اس کو نہیں جانتا تمہارے گھر سے تیسرا اس کا گھر ہے۔“

تیسرے گھر کا سنتے ہی تو جیسے عمیر کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی ”عائشہ۔“

”شاید ہاں وہ ہی ہے کیونکہ میں نے کسی کو اس کا نام پکارتے سنا تھا“ تصدیق کرتے ہوئے اختر نواز۔

”نہیں......تم تو شادی شدہ ہو۔ ویسے بھی تمہارے لیے شادی کوئی معانی نہیں رکھتی۔ ہر دوسرے تیسرے سال شادی کرتے ہو اس سے دل بھر جاتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو۔“

”یہ سچ ہے لیکن میں ان کی مرضی سے نکاح کرتا ہوں گناہ نہیں۔“

اپنی ذات و کردار کی مزید وضاحت کرتے ہوئے۔

”حق مہر بھی ادا کرتا ہوں۔“

”لیکن یار! عائشہ ایسی لڑکی نہیں۔ اس کے لیے شادی عمر بھر ساتھ نبھانے کا نام ہے۔“

”میں اس کو گھر بھی الگ سے لے کر دوں گا اچھا حق مہر بھی دوں گا۔“ اس کو جاننے کے باوجود عمیر اس کو لفظوں سے بہلانے کی کوشش میں لگ گیا تھا۔ کیونکہ وہ عائشہ کے اخلاق و کردار اچھی طرح جان چکا تھا کہ وہ باتیں نہیں کرتی بلکہ عمل سے کر کے دکھاتی ہے۔

”یار! تم سمجھے نہیں وہ بہت اصول پسند لڑکی ہے اس کو ہم جیسے لوگ پسند نہیں ہیں۔“

”میں بچپن سے اس کو پھنسانے کی کوشش کرتا رہا ہوں لیکن وہ میرے ہاتھ نہیں آئی۔“

”اس کے کردار سے متاثر ہو کر میں نے اس کو بہن بنا لیا ہے۔“

ایسے لوگوں پر لفظ کہاں اثر کرتے ہیں عمیر کی لمبی چوڑی تقریر بے کار گئی۔

وہ فٹ سے بولا ”یہ تو اچھی بات ہے ایسی باکمال لڑکی کی تو مجھے تلاش تھی۔“

ایسے لوگ کسی کو تلاش نہیں کرتے صرف وقت پاس کرتے ہیں جہاں مطلب نہ نکلے تو لفظوں کا جال بننا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ ان کو مطلب نکالنا خوب آتا ہے۔

"میں وعدہ کرتا ہوں اگر اس کے ساتھ رہتے ہوئے مجھے محسوس ہوا کہ وہ چھوڑنے والی نہیں تو میں اس کو طلاق نہیں دوں گا۔" وہ عائشہ کو اختر نواز کے حوالے نہیں کرنا چاہتا تھا وہ اس کو بڑے اچھے طریقے سے جانتا تھا۔

"تم اس کو چھوڑو تم کو تو ہزاروں اس سے بھی زیادہ خوبصورت مل جائیں گی۔ اس نے نہیں ماننا۔"

چونکہ اختر نواز کو انکار سننے کی عادت نہیں تھی وہ حیرت میں بھی تھا کہ عمیر اس لڑکی کے لیے اس کو کیوں منع کر رہا ہے بے شک دونوں کی دوستی پرانی تھی کیونکہ ہر اچھے برے کام کے ساتھی تھے۔ ایسے لوگ سب سے بنا کر رکھتے ہیں پھر بھی جب مطلب پڑے سخت بھی ہو جاتے ہیں۔

سخت لہجے میں اس کو غور سے دیکھتے ہوئے......

"نہیں مانتی تو اس کو اور اس کے گھر والوں کو مناؤ ورنہ......تم تو......جانتے ہو انگلی ٹیڑھی کرنی بھی مجھے خوب آتی ہے۔"

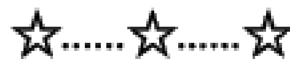
اس کے لہجے میں اور بات کرنے کے انداز نے عمیر کو ڈرا دیا اس کے باوجود وہ عائشہ کو بچانا بھی چاہتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے میں اس کے گھر والوں سے بات کروں گا۔" وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے عمیر نے اختر نواز کو تسلی دی۔ اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے اختر نواز۔

"کافی سمجھدار ہو۔"

اُس کو غور سے دیکھتے ہوئے عمیر۔

"پھر میں تم کو فون پر بتاؤں گا۔"



اب عمیر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے وہ کسی بھی قیمت پر عائشہ کی شادی اختر نواز سے نہیں کروانا چاہتا تھا کیونکہ اس کو پتہ تھا یہ شادی تھوڑی ہی ہے یہ تو اچھا وقت گزارنے کا ایک جائز بنایا گیا جال ہے جس کے جال میں لوگ آسانی سے آ سکتے ہیں لیکن عمیر تو اس کو اچھے طریقے سے جانتا تھا اس لیے وہ پریشان رہنے لگا تھا اپنی بیوی سے بھی زیادہ بات نہیں کرتا تھا حالانکہ نئی نئی شادی ہوئی تھی کبھی چھت پر اور کبھی کمرے میں لیٹا رہتا تھا۔

اس کی پریشانی کو آمنہ اور عالیہ بیگم نے بھی محسوس کیا تھا۔ ایک دن آمنہ اور عالیہ بیگم بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔

"امی عمیر میرے سے کوئی بات نہیں کرتا ہر وقت کھویا کھویا رہتا ہے۔ کیا آپ نے محسوس کیا ہے۔"

"ہاں! میں نے بھی محسوس کیا ہے۔" آمنہ کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے عالیہ بیگم۔

"لیکن بیٹی یہ نا سمجھنا کہ اس کو کوئی اور لڑکی پسند تھی۔"

"اگر نہیں تو اور کیا بات ہے۔"

اس دوران عمیر بھی آ گیا۔

"عمیر کیا بات ہے کیوں آج کل پریشان ہو۔"

اس کے اندر کا لاوا جو اتنے دن سے پک رہا تھا وہ بھی جیسے پھٹنے والا تھا۔

"امی! میں آپ کو بتاؤں گا تو آپ کے بھی پاؤں کے نیچے سے زمین نکل جائے گی۔"

پریشان ہو کر عالیہ بیگم۔

"کیا بات ہے۔جلدی بتاؤ۔میرا دل گھبرا رہا ہے۔"

"امی......وہ......اختر نواز......"

"تو پھر......"

"وہ عائشہ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

جیسے اس کے بھی ہوش اُڑ گئے۔

او خدایا......

"بلکہ یوں کہو کہ وہ اس کی زندگی برباد کرنا چاہتا ہے"

"اس نے عائشہ کو کہاں دیکھا"

آہستہ سے عمیر "شادی پر۔"

غصے سے "اس لیے ہی کہتی تھی اس کو شادی پر مت بلاؤ لیکن نہیں تم پر تو دوستی کا بھوت سوار تھا۔"

وہ جو آمنہ دونوں کی باتیں حیرت سے سن رہی تھی۔

"یہ اختر نواز کون ہے۔وہ جو شادی کرنا چاہتا ہے۔"

اس کی حیرت کو ختم کرتے ہوئے اور وضاحت دیتے ہوئے عمیر "وہ لڑکیوں سے نکاح کرتا ہے ان کے ساتھ دو تین سال گزارتا ہے پھر طلاق دے دیتا ہے۔"

مزید وضاحت کرتے ہوئے عالیہ بیگم۔

"لڑکیاں بھی بڑی خوشی خوشی کر لیتی ہیں حالانکہ پتہ ہوتا ہے ایک شادی کر رہا ہے تو پہلے کو طلاق دے رہا ہوگا۔جب تک کوئی لڑکی اس کی بیوی رہتی ہے تو اس کو خوب عیش کرواتا ہے۔"

بڑی لاپرواہی سے آمنہ "ہوسکتا ہے عائشہ بھی کرے آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں۔"

"وہ جتنی خوبصورت ہے اس سے زیادہ باکردار اور اصول پسند ہے وہ ایسا ہی کرے گی۔"
عائشہ کے کردار کی وضاحت بہو کو دیتے ہوئے عالیہ بیگم۔
ساس کے منہ سے دوسری لڑکی کی تعریف سن کر آمنہ کو اندر سے چبھن بھی محسوس ہو رہی تھی۔لیکن وہ بول کچھ نہیں سکتی تھی سوائے سننے کے کیونکہ وہ اس کو جانتی نہیں تھی۔
"دیکھو! یہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے ویسے تو کہتا ہے میں کسی لڑکی کی مرضی کے خلاف اس سے شادی نہیں کرتا۔"
"لیکن میں اس کو اچھے طریقے سے جانتا ہوں یہ عائشہ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔کیونکہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔"
"کیونکہ وہ ہیرا ہے کمینے نے نجانے کیوں دیکھ لیا ہے۔" افسوس کا اظہار کرتے ہوئے عالیہ بیگم۔
ان دونوں ماں بیٹے کی باتیں آمنہ کو سوئی کی طرح چبھ رہی تھیں۔ کیونکہ وہ نئی نئی دلہن تھی اس کے لیے تو اپنی تعریف اہم تھی لیکن وہ دونوں بیٹھے عائشہ کے قصیدے پڑھ رہے تھے۔
یاد کرتے ہوئے عالیہ بیگم......
"وہ تو منہ چھپا کر رکھتی ہے۔"
"امی یقیناً اس نے عائشہ کی آنکھیں دیکھی ہوں گی" اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہوئے عمیر۔"میں نے عائشہ کو بہن کہا ہے۔میں اس کا مکمل ساتھ دوں گا چھپ کر، تا کہ اختر نواز کو شک نہ ہو کہ میں اس کے ساتھ ہوں اور وہ عائشہ کو کوئی نقصان نہ پہنچائے۔"
آہ بھرتے ہوئے عالیہ بیگم......
"خدا عائشہ کی مدد کرے۔"

کچھ سوچ کر عمیر ''امی آپ کو جا کر عائشہ کے ابو سے رشتے کی بات کرنی ہوگی لیکن اصل میں رشتے سے منع کرنا ہوگا تا کہ اختر نواز کو شک نہ ہو۔''

''تم فکر ہی نہ کرو میں صبح ہی جاؤں گی۔''

ان کی اتنی باتیں سن کر آمنہ کو عائشہ کو دیکھنے کا تجسس ہونے لگا تھا اب ہمدردی سی ہونے لگی تھی یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عمیر اس کو بہن کا درجہ دیتا ہے۔

اگلے دن جب شفیق احمد دفتر سے آیا تو عین اس وقت عالیہ بیگم بھی آ گئی تھی۔

''السلام وعلیکم کیسے آنا ہوا؟ بہن۔''

''آپ پہلے بیٹھیے۔ پھر آپ سے بات کرتی ہوں۔''

دونوں صحن میں ہی بیٹھ گئے تھے۔

''بھائی صاحب! میری بات تسلی سے سنیے گا'' اطمینان سے بیٹھتے ہوئے عالیہ بیگم۔

''حکم کرو! عالیہ بہن۔''

''ہماری عائشہ سے اختر نواز شادی کرنا چاہتا ہے۔'' اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے عالیہ بیگم۔

بات سنتے ہی شفیق احمد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

''کیا......''

جی ہاں۔

اپنی محبت کا خلوص کا اظہار کرتے ہوئے عالیہ بیگم۔

''نہیں...... عمیر اور میں نہیں چاہتے یہ شادی ہو وہ عائشہ کے قابل نہیں۔''

اگر کوئی خوبی ہو تو دشمن بھی مانتا ہے سو شفیق احمد اس کی خوبیوں کا اظہار کرتے ہوئے۔

''بہن یہ سچ ہے وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے خوبصورت ہے دولت مند ہے۔''

”لیکن اس کی زندگی کا مقصد ہے آئے ہو تو عیش کر کے واپس چلے جاؤ۔ جبکہ ہماری زندگی کا مقصد اعلیٰ کردار کو چھوڑ کر جانا ہے۔“

”آپ کے اعلیٰ کردار کو دیکھتے ہوئے ہم نہیں چاہتے یہ شادی ہو۔“

”ایسے تو بیسیوں رشتے ہیں بہن۔“

”میں جانتی ہوں بھائی صاحب۔“

”آپ اس کو انکار کر دیں۔“

”ٹھیک ہے عمیر کر دے گا صرف آپ کے علم میں لانا ضروری تھا۔ اب میں چلتی ہوں۔“

اس دوران عائشہ چائے لے کر آ گئی شفیق احمد ”بہن چائے پی کر جاؤ۔“

”شکریہ! بھائی پھر کبھی سہی۔“

وہ ابھی اپنے گھر کا دروازہ بھی پار نہیں کر پائی تھی تو عمیر ”امی! شفیق چچا نے کیا کہا۔“

”وہی جو ہمیں امید تھی وہ بھی اس رشتے کے لیے راضی نہیں انہوں نے انکار کر دیا۔“

چین کا سانس لیتے ہوئے ”میں ابھی اختر نواز کو فون کر دیتا ہوں پھر دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔“ اس نے فون کر کے اختر نواز کو بتا دیا کہ انہوں نے رشتے سے انکار کر دیا ہے۔ اس نے بھی بڑے اطمینان سے فون سن کر عمیر سے کچھ نہیں کہا۔

عمیر خوش ہو گیا تھا کہ مصیبت ٹل گئی۔

ہمیشہ امن کے بعد ہی طوفان آتا ہے یہ کوئی نہیں ذہن میں رکھتا اگر امن کے دنوں میں بھی طوفان کی آمد کا انتظار کرنے لگو تو پھر سکون کے دن بھی بے چینی میں گزر جاتے ہیں اور انسان کو کبھی سکون نہیں ملتا۔ اس لیے اچھے دنوں کو تو اچھی طرح گزاروں جب سر پر پڑے گی تو دیکھا جائے گا۔



کافی دنوں سے یونیورسٹی نہ آنے پر سب دوست ارحم سے بازف کے بارے میں پوچھ رہے تھے وہ ان سے اپنی لاعلمی کا اظہار کر رہا تھا۔

''اس کے بغیر یونیورسٹی سنسان ہو جاتی ہے۔''

اس کی تصدیق کرتے ہوئے عامرہ۔

''کیوں نہ ہو زرمین آخر کو وہ ہمارا ہیرو جو ہے۔''

''یہاں تو اس کو کسی میں interest ہی نہیں پتہ نہیں کس کا ہیرو ہوگا۔'' زرمین

''جس سے بھی بات کرتا ہے لگتا ہے اس کا ہی ہیرو ہے۔''

''ادھر بندہ serious ہوا نہیں اور وہ اس سے جان چھپا کر بھاگ پڑا۔'' عامرہ ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے۔

ان کی بحث کو ختم کرتے ہوئے ارحم۔

''ہیرو تو پھر ایسے ہی ہوتے ہیں سب ان کے پیچھے ہوتے ہیں۔''

اس کو آتا دیکھ کر ارحم ''لو پھر ہیرو آ گیا ہے۔''

سب اس کے پاس چلے گئے اس کا حال احوال پوچھا۔

''کہاں غائب تھے۔''

گھر پر اور کہاں ہونا تھا۔

مزید بازف کو بتاتے ہوئے ارحم۔

''یار! سب نے تمہارا پوچھ پوچھ کر دماغ کھا لیا ہے۔''

''کچھ دن بعد اختر نواز کے فارم ہاؤس پر سب دوست اکٹھے تھے۔ عمیر بھی مدعو تھا نہ چاہتے ہوئے بھی عمیر پارٹی میں آ گیا تھا۔ اس کو کھچا کھچا دیکھ کر اختر نواز۔

"کیا ہوا ہے؟"

اس کو ٹالتے ہوئے عمیر۔

"کوئی خاص بات نہیں بس شادی ہوگئی ہے اس لیے گھر سے نکلنے کو دل نہیں چاہتا۔"

سمجھانے کے انداز میں اختر نواز۔

"شادی پاؤں کی زنجیر تھوڑی ہی ہوتی ہے ہم جیسوں کے لئے۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔

"یار اس دن میں کچھ زیادہ ہی جذباتی ہوگیا تھا۔تم اس بات کو بھول جاؤ۔میرے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں۔ایک دن میں چاہوں تو دس سے شادی کرسکتا ہوں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت آسانی سے مل سکتی ہے۔"

اس کو مزید یقین دلاتے ہوئے۔"تمہیں تو پتہ ہے دنیا میں لڑکیوں کا کال تھوڑا ہی ہے۔ میں کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کرتا۔"

اس کو پکا کرنے کے لیے عمیر۔"تم ٹھیک کہتے ہو۔ویسے بھی وہ عام سی لڑکی ہے۔"

"تم نے ٹھیک کہا۔میں تو بھول گیا ہوں۔"

دل میں عمیر نے شکر ادا کیا کہ وہ بھول گیا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے ان امیر زادوں کے لیے کوئی انسان معافی نہیں رکھتا آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا معاملہ ہوتا ہے۔" وہ چونکہ اختر نواز سے اندر سے ڈر گیا تھا اس لیے اس کی دوستی سے دور ہونا چاہتا تھا۔اس کو اندازہ ہوگیا تھا ان لوگوں کی دوستی میں صرف نقصان ہی نقصان ہے اس لیے وہ پارٹی سے بھی جلدی چلا گیا تھا۔

بعض اوقات ہمیں لگتا ہے مشکل ٹل گئی ہے لیکن حقیقت میں وہ دگنی ہو کر نازل ہوتی ہے۔

ویسے بھی جو ہونا ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔

دو دن سے عائشہ کو شدید بخار تھا۔شفیق احمد نے اس کو ڈاکٹر پر چلنے کو کہا۔لیکن وہ نہیں مانی۔ اینٹی بائیوٹک پر انحصار کر رہی تھی۔ایک دن شفیق احمد اس کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے جا رہا تھا کہ راستے میں اختر نواز بھی اپنی فوج کے ساتھ سامنے آگیا۔البتہ عائشہ نے دوپٹے سے منہ ڈھانپا ہوا تھا اس کے باوجود اس نے عائشہ کو پہچان لیا تھا۔عائشہ اور شفیق احمد نے تو اس کو نہیں غور سے دیکھا تھا لیکن وہ ان کو دیکھ رہا تھا وہ سیدھے نکل گئے مگر وہ ان کو پیچھے سے مسلسل دیکھ رہا تھا وہ گاڑی کے شیشے سے عائشہ کا تعاقب کر رہا تھا۔

وہ ڈاکٹر کے کلینک پہنچ گئے ڈاکٹر چونکہ عائشہ کو بچپن سے جانتا تھا اور اس گھرانے کی پڑھائی اور مختلف نظریات رکھنے کی وجہ سے عزت کرتا تھا۔

”میری بیٹی کیسی ہے؟“

”بس انکل بخار ہو گیا ہے۔ابو! ایسے ہی پریشان ہو جاتے ہیں۔“

”ظاہر ہے اتنی اچھی بیٹی بیمار ہو گی تو پریشانی تو ہو گی۔“ چیک اپ کرتے ہوئے مسکرا کر ڈاکٹر۔

”انکل! یہ چھوٹی موٹی بیماریوں سے کچھ نہیں ہوتا۔“

ہنستے ہوئے ”بھائی شفیق احمد صاحب ہماری بیٹی کو یہ بیماریاں کچھ نہیں کہتیں تم پریشان مت ہوا کرو۔“

اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے شفیق احمد۔”یار! میرے پاس اب اس کے سوا کیا ہے۔اس کا خیال نہیں کروں گا تو کس کا کروں گا۔“

اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ڈاکٹر۔ ” کہتے تو تم بھی ٹھیک ہو۔“

اتنے میں نرس دوائی بنا کر لے آئی تھی۔

دوائی دیتے ہوئے ڈاکٹر۔

''بیٹا! یہ دو دن میں کھانی ہے پھر تم ٹھیک ہو جاؤ گی اور ابو بھی خوش ہو جائیں گے۔''

دونوں ڈاکٹر کو خدا حافظ کر کے کلینک سے باہر نکل آئے تھے اختر نواز گاڑی اور فوج کے ساتھ وہاں کلینک کے باہر ہی کھڑا تھا۔

جیسے ہی شفیق احمد کی نظریں اس پر پڑیں وہ گھبرا گیا۔

''جلدی چلو عائشہ۔''

''کیا ہوا ابو۔''

''کچھ خاص نہیں۔ بس تم چلو۔''

وہ ان کو دیکھے بغیر جلدی جلدی عائشہ کو لے کر گھر کی طرف چل پڑا تھا۔ ان کے وہاں سے جاتے ہی وہ بھی وہاں سے رخصت ہو گیا تھا۔

دونوں نے گھر پہنچ کر ہی سانس لیا تھا۔ گھر پہنچ کر عائشہ تشویش کا اظہار کرتے ہوئے۔

''ابو کیا ہوا تھا۔''

''کچھ خاص نہیں تم جاؤ آرام کرو۔'' اس کے لیے تو جیسے خطرے کی گھنٹی بج گئی تھی جا کر بستر پر لیٹ تو گیا تھا لیکن رات بھر بار بار کروٹ بدل رہا تھا۔ پر نیند آنکھوں میں کہاں پڑ رہی تھی۔ جیسے آزمائش شروع ہونے لگی ہو۔''

دوسری طرف اختر نواز بھی رات بھر عائشہ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ویسے تو یہ اس کے لیے کوئی نئی بات نہیں تھی وہ ہر رشتے کے بارے میں ایسا ہی کرتا تھا۔ جب کسی لڑکی سے شادی کرنی ہوتی تھی اس کے لیے رات بھر اس طرح بے چین رہتا تھا۔ جسے شادی ہو جاتی سال دو تو خوب نخرے اٹھائے جاتے تھے پھر اس کو چھوڑ کر نئی کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے جاتے

تھے لیکن خاندانی بیوی کو نہیں چھوڑا جاتا تھا۔

آج کل کے لوگ ماضی کی نسبت زیادہ مکار اور تیز ہیں ایسے ایسے طریقے اختیار کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور کوئی ان کو کچھ نہیں کہہ سکتا۔اختر نواز بھی چونکہ شادی کرتا تھا اس لیے مذہب اور قوانین کی نظر میں بھی برا نہیں تھا۔

صبح اُٹھ کر شفیق احمد نے وضو کر کے نماز پڑھی پھر بیٹی کے کمرے میں جا کر اس کو دیکھا اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر بخار کا معائنہ کیا لیکن بخار نہیں تھا۔خود سے ''شکر ہے اس کا بخار اتر گیا ہے۔''



یہ ملاقات شفیق احمد اور اختر نواز کے لیے سوچیں پیدا کر گئی تھی شفیق احمد کے لیے اختر نواز کی آنکھوں میں آنے والے وقت کی تصویر تھی جو بتا رہی تھی کہ خطرہ قریب ہے۔اختر نواز عائشہ کو دیکھ کر بے تاب ہو گیا تھا۔اور یہ بے تابی اس کے اپنے اندر کے سوئے ہوئے درندے کو بیدار کرنے کے لیے اُکسا رہی تھی۔دو دن نہ تو شفیق احمد دفتر گیا اور نہ ہی اختر نواز فارم ہاؤس سے گھر۔

گھر میں قیام کے دوران وہ عائشہ کو ہی دیکھتا رہتا تھا اور سوچ رہا تھا اگر کوشش بھی کرتا کہ توجہ کسی اور چیز میں مبذول کرے تو نہیں ہوتی تھی۔

وہ لیٹا سوچ رہا تھا تو عائشہ کھانا لے کر آئی جیسے ہی اس نے باپ کو بلایا تو وہ گھبرا گیا۔

''کیا ہوا ابو؟''

''کچھ نہیں۔''

''اگر کچھ نہیں ہوا تو آپ گھبرا کیوں گئے ہیں پہلے تو کبھی ایسا نہیں ہوا۔''

”ویسے ہی تمہارے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“

”کیا سوچ رہے ہیں۔“

اٹھ کر بیٹھتے ہوئے ”سوچ رہا ہوں تمہاری شادی کردوں۔“ اس کو سمجھ نہیں آئی اس بات پر باپ کو کیا جواب دوں۔ وہ وہاں سے چلی گئی۔

اس کا جانا تھا تو شفیق احمد ”تمہیں کیا پتہ اگر میرے پاس کوئی اچھا رشتہ ہو تو آج ہی کردوں۔ آج کل اچھے رشتے بھی ہیرے کی مانند نایاب ہیں۔“

نوکر کھانا لے کر اختر نواز کے پاس آیا تو اس نے واپس لے جانے کو کہہ دیا۔ وہ واپس چلا تو گیا۔ وہ پریشان سا ہو گیا تھا اور خود سے ہی۔

”نجانے مالک اب کس کی زندگی خراب کرنے لگا ہے۔ مجھے تو اس بات کی سمجھ بھی نہیں آتی جن کی زندگیاں خراب ہوئی ہیں ان کو دیکھ کر دوسرے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے۔“

”شاید پیسے میں ہی بڑی طاقت ہے۔ مالک ایک سے ایک خوبصورت لڑکی کو نکاح کے نام پر خریدتا ہے۔ ہم جیسے غریبوں کو تو ایک بھی نہیں ملتی۔ حالانکہ ہم تو وفادار بھی ہوتے ہیں۔“

خود سے ہی۔ ”لیکن ہمارے پاس پیسے بھی تو نہیں۔ میری تو محبت بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔ اگر پیسہ ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔“

سارا دن سوچنے کے بعد اختر نواز۔

”بس اب فیصلہ ہو گیا...... مجھے شادی عائشہ سے کرنی ہے۔“

پھر خود سے ہی۔

”اتنے پریشان کیوں ہو شادی تو تم نے کرنی تھی یہ دو دن پریشانی کا ڈھونگ کیا ہے؟ بس ایک نیا شکار...... نہیں...... نہیں...... اس بار نبھاؤں گا۔“

پھر خود سے۔ چلو! چھوڑو تم ہر بار یہی کہتے ہو۔نہیں...... ایسا نہیں ہے۔دیکھو! اس نے انکار کیا پھر بھی تم اس کے بارے میں سوچ رہے ہو۔

پھر خود سے۔انکار بھی تو پہلی بار ہوا ہے۔

پھر خود سے۔تو پھر بتاؤ...... اس سے پہلے کس نے کیا ہے؟

سوچتے ہوئے۔"ہاں...... انکار تو کسی نے بھی نہیں کیا۔لیکن میں نے کسی کے ساتھ زیادتی بھی نہیں کی۔ان کی مرضی سے نکاح کرتا ہوں حق مہر بھی دیتا ہوں۔

پھر خود سے۔اگر اس نے حق مہر کے باوجود انکار کیا تو......

خود کو جواب دیتے ہوئے۔تو پھر شادی نہیں کروں گا۔

خود سے۔پھر اسی بات پر قائم رہنا۔

اس بار تم بھی خطرہ محسوس کر رہے ہو۔

کونسا خطرہ۔

تم اچھی طرح جانتے ہو۔

نہیں کا۔

ایسا نہیں ہوگا میں پڑھا لکھا ہوں دولت مند ہوں خوبصورت ہوں اپنے علاقے کے ہر بندے کا خیال رکھتا ہوں۔

خود کو جواب دیتے ہوئے۔

صرف مطلب تک۔

☆......☆......☆

پریشان ہوتے ہوتے شفیق احمد تھک گیا تھا اپنے ارادوں کو مضبوط کر رہا تھا تاکہ ہر خطرے

کا سامنا کر سکے۔

''اب جو بھی ہو میں اختر نواز سے لڑوں گا اور اپنی بیٹی کو بچاؤں گا۔''

دونوں ہاتھ اُٹھا کر۔

''اے میرے پروردگار! اے میرے دوستمیری مدد فرما۔ مجھے نظریات کی اس جنگ میں کامیاب فرما۔

اے میرے پروردگار! یہ تیرے نزدیک کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ لیکن ہم تیرے ناتواں بندے ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ ایک جنگ کے میدان سے کم نہیں۔

ہم پر ہماری بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا جس کو ہم اُٹھا نہ سکیں۔

میری بیٹی کی عزت کی حفاظت کرنا۔ بے شک تو سب کی سنتا اور جانتا ہے تو یہی کارساز کافی ہے۔''

دعا مانگتے مانگتے وہ سو گیا صبح جب اٹھا تو اس کو محسوس ہوا کہ اس میں طاقت آ گئی ہے۔ وہ طاقت جو کسی بھی طوفان کا سامنا کرنے کو تیار ہے۔

وہ ایک بہادر سپاہی بن گیا تھا تیار ہو کر اس نے عائشہ کو ناشتہ لانے کے لیے آواز دی۔

اس نے باپ کو ناشتہ دیا تھا اور شفیق احمد نے بھی خوب ڈٹ کر ناشتہ کیا۔

باپ کو اس قدر پر جوش دیکھ کر عائشہ۔ ''ابو کیا ہوا۔ کس محاذ پر جا رہے ہیں۔''

بیٹی کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ کر۔ ''بیٹی کو بچانے۔''

باپ کے الفاظ اس کے لیے حیران کن تھے فوراً بولی۔ ''مطلب۔''

اس نے عائشہ کو ساری کہانی سنا دی۔

ساری کہانی سن کر عائشہ۔

’’اس معرکہ میں آپ مجھے اپنے ساتھ پائیں گے۔‘‘

خوشی سے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے۔

’’مجھے تم سے یہی اُمید تھی۔‘‘

وہ دفتر چلا گیا تھا اور عائشہ گھر کے کاموں میں مصروف ہوگئی تھی۔

دفتر میں بھی شفیق احمد بڑے جوش وخروش سے کام کر رہا تھا اس کو دیکھ کر اس کا ساتھی۔

’’جناب شفیق احمد صاحب! آج اتنا جوش خیریت تو ہے۔‘‘

’’بس خیریت ہی ہے۔‘‘

’’بس لڑنے کی تیاری کر رہا ہوں۔‘‘

’’مطلب؟‘‘

’’کچھ خاص نہیں۔‘‘

بعض اوقات اپنے ہی اصولوں کے لیے لڑنا پڑتا ہے۔

بس وہی کرنے لگا ہوں۔

وہ حیرت سے۔

’’جناب! میں کچھ سمجھا نہیں۔‘‘

’’ایسے ہی آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔‘‘

☆......☆......☆

فون کی گھنٹی بجی تو عمیر نے فون اُٹھایا۔

’’ہیلو! میں اختر نواز۔‘‘

’’کیسے یاد کیا۔‘‘

"کچھ خاص نہیں۔ذرا فارم ہاؤس پر آؤ۔"

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔"

وہ تو بھول چکا تھا عائشہ کو۔لیکن اس کے اس طرح فون کرنے سے اس کو کچھ شک ضرور ہو گیا تھا۔

خود کو پر سکون کرتے ہوئے۔

"عمیر کوئی نہ کوئی بات ہے ورنہ اختر نواز کسی کو اس طرح یاد نہیں کرتا۔"

اس کے عمیر پر بہت احسانات تھے اور دونوں نے بڑے بڑے کام اکٹھے کیے تھے اس لیے وہ چلا گیا۔

اس کو دیکھتے ہی اختر نواز "تو تم آ گیے۔"

"ہاں یار!خیریت تو ہے۔"

"وہ عائشہ کے گھر رشتہ لے کر جانا ہے۔"

"تم نے تو انکار کر دیا تھا۔"

"لیکن اب میں نے فیصلہ کیا ہے میں اس سے شادی ضرور کروں گا۔"

ٹالتے ہوئے عمیر۔

"چھوڑو اس کو کوئی اور لڑکی ڈھونڈ لو۔"

تسلی دیتے ہوئے اختر نواز۔

"ایک مرتبہ رشتہ ضرور لے کر جاؤں گا آگے پھر دیکھیں گے کیا ہو گا۔"

اس کو سمجھنے والے انداز میں عمیر۔

"یار!مجھے پتہ ہے وہ لوگ نہیں مانیں گے۔"

”اگر نہ مانے تو پھر دیکھوں گا۔“

اگلے دن عمیر اس کی ماں اختر نواز اور ملازموں کی فوج شفیق احمد کے گھر پہنچ گئی تھی اس نے ان کو بڑی عزت واحترام سے بٹھایا۔

اس نے عائشہ کو چائے بنانے کے لیے کہا۔اس نے چائے بنائی اور پھر چائے لے کر گیا۔

اس نے مروت کا مظاہرہ کیا تو اس کے بدلے میں اختر نواز نے بھی مروت کا مظاہرہ کیا۔

کیونکہ اپنی طاقت اور پیسے کے باوجود وہ ان کے اصولوں وقواعد کے اثر میں تھا۔

”انکل! ہم آپ کے پاس سوال لے کر آئے ہیں۔“

انجان بنتے ہوئے شفیق احمد۔کیسے سوال؟

اس نے عالیہ بیگم کی طرف اشارہ کیا کہ آپ بولیں۔

”بھائی صاحب! اختر نواز عائشہ بیٹی کا ہاتھ مانگنے آیا ہے۔“

بڑے تحمل سے شفیق احمد۔

”ہم اتنے اونچے لوگوں کے ساتھ رشتہ جوڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔“

لفظوں کو گھمانا تو اختر نواز پر بھی ختم تھا۔

”سب انسان برابر ہیں۔“

”لیکن بیٹا آپ کے رسوم ورواج کا بوجھ ہم نہیں اٹھا سکتے۔“

”ہمیں کچھ نہیں چاہیے۔“

ذرا زور دیتے ہوئے شفیق احمد۔

”بیٹا! شاید تم سمجھے نہیں۔“

”میں آپ کے اونچے رواج کی بات کر رہا ہوں جس کے نیچے آ کر ہماری جان بھی جا سکتی

ہے ہمارے پاس صرف عزت ہے۔ اگر یہ چلی گئی تو سمجھو جان گئی۔“

اس کو پتہ چل گیا کہ کس چیز کی بات ہو رہی ہے۔

تسلی دیتے ہوئے اختر نواز۔

”ہم عزت جانے ہی نہیں دیں گے تو جان کیسے جائے گی۔“

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفیق احمد۔

”بیٹا! میں جانتا ہوں شروع میں سب اچھا ہوتا ہے لیکن مسئلہ وقت گزارنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔“

اس کی آنکھوں میں غور سے دیکھتے ہوئے۔

”میں مسئلہ ہونے نہیں دوں گا۔“

بڑی مروت سے خود پر ضبط کرتے ہوئے شفیق احمد۔

”بیٹا! میں معذرت خواہ ہوں۔“

وہ اٹھ کر جانے لگا تھا تو شفیق احمد۔ ”چائے تو پی کر جاؤ۔“

تلخ لہجے میں اختر نواز۔ ”انکل......اس کی ضرورت نہیں۔“

وہ جانے لگے تھے تو شفیق احمد۔

”بیٹا! یہ سامان لے جائیں اس کا بوجھ ہم سے اُٹھایا نہیں جائے گا۔“

اس نے نوکروں کو اشارہ کیا تو انہوں نے سارا سامان اُٹھالیا۔

آخری وقت تک شفیق احمد اخلاق کے سارے تقاضے پورے کیے ان کو دروازے تک چھوڑا۔ وہ جاتے ہوئے سارا سامان عالیہ بیگم کو دیا گیا جس کو لے کر وہ بہت خوش ہو گئی تھی حالانکہ عمیر کو اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اس کو پتہ تھا وہ اس کا بدلہ وصول کر لے گا۔

انسان بڑا بے وقوف ہوتا ہے اس کو لیتے ہوئے دینے کا خیال بھی نہیں آتا حالانکہ لیتے ہوئے دینے کا پہلے سوچنا چاہیے جو آپ پر احسان کرتا ہے وہ بدلہ ضرور لیتا ہے یہی دنیا ہے۔

☆......☆......☆

''پرسوں تک پیکنگ کروالینا فرانس جانا ہے۔'' ٹکٹ دیتے ہوئے احسان جاوید۔''آج کل وہاں کا موسم بہت اچھا ہے۔'' عالیہ بیگم ہاتھوں پر لوشن لگا رہی تھی اس نے بوتل ایک طرف رکھی۔''شامیہ اور برید کے گریڈ اچھے نہیں آئے سمجھو فیل ہی ہیں، میں ان پر توجہ دینا چاہتی ہوں۔''

اس کو دیکھتے ہوئے احسان جاوید''یہ تمہارے اندر سے مڈل کلاس والی روح پتہ نہیں کب جائے گی۔زندگی گزر گئی ہے۔''

مسکراتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

جناب!یہ سب میری آپا کی تربیت ہے وہ بہت اچھی تھی میری ماں تو ہم سے کم ہی ملتی تھی لیکن ہماری آپا بہت سادہ اور درویش صفت تھیں اور میں تو ان کے ساتھ زیادہ ہی attach تھی۔''

''میں تو کہتا ہوں تم بھی درویش ہی ہو۔''

''آپ بھی بہت اچھے ہیں۔''

اس کو دیکھتے ہوئے احسان جاوید''یہ بحث چھوڑو پرسوں تیار رہنا۔''

''لیکن میں تو سوچ رہی تھی کہ آپ اکیلے ہی چلے جاتے، برید اور شامیہ کا ٹیوشن change کر کے دیکھ لو۔''

''واپس آکر کر لینا۔''

"آپ کے ان ہی Trips میں ان کا اولیول نجانے کب ہوگا۔"

"چھوڑو ہو جائے گا۔"

"تمہیں تو پتہ ہے میں تمہارے بغیر کہیں نہیں جاتا۔"

"میں جانتی ہوں۔"

"ایک اور بات پلیز بازف سے بھی بات کریں پورے ہفتے سے اس سے ملاقات نہیں ہوئی یہ کہاں رہتا ہے؟"

چونکہ وہ بہت نرم مزاج انسان تھا بیوی کی بات ٹالتے ہوئے "چلو! صبح ناشتے پر بات کرتا ہوں۔ اگر کل نہ ہوئی تو واپس آ کر کروں گا۔

صبح ناشتے پر وہ ناشتہ کر رہے تھے تو بازف بھی آ گیا اس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم۔

"چلو! تم سے ملاقات ہوگی۔ ہم جا رہے ہیں تم نے بہن اور بھائی کا خیال رکھنا ہے۔"

"پہلے تو جیسے میں ہی خیال رکھتا ہوں۔" ڈبل روٹی پر مکھن لگاتے ہوئے۔

غور سے احسان جاوید کو دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

"آپ کچھ کہنا پسند کریں گے۔"

"یار! اپنی ماں کو ہفتے میں تین چار مرتبہ شکل دکھا دیا کرو۔"

"بات کچھ اور ہوتی ہے اور آپ کہیں اور لے جاتے ہیں۔" ذرا سخت لہجے میں نفیسہ بیگم۔

اس کی طرف دیکھتے ہوئے احسان جاوید۔ "یہ ہی تو رات کو بات ہوئی تھی۔"

"لیکن اب کوئی اور بات ہو رہی تھی۔"

مسکرا کر احسان جاوید۔

"لیکن میں سمجھا شاید یہ بات کرنی تھی۔"

”اب آپ مسکرائیے تم اور آج کی بات بھی اس کو سمجھا دیں۔

یار! بہن اور بھائی کا بھی خیال رکھنا۔“

فرمانبردار بیٹے کی طرح بازف۔ جی بابا! ضرور......

بیگم کو خوش کرنے کے لیے۔ ”اب آپ خوش ہیں۔“

چڑ کر نفیسہ بیگم ”اس طرح تو آپ نے Formality پوری کی ہے۔“

”یہ بھی رہنے دیتے تو بہتر تھا۔“

ان کی بحث کو ان سنا کر کے بازف ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

پھر برید اور شامیہ کی طرف دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

”اگر ناشتہ ہو گیا ہو تو پڑھنے جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ غصے سے ”ایک اور بات آپ دونوں کا او لیول مکمل ہونا بھی ہے یا نہیں۔“

تسلی دیتے ہوئے برید

“don't worry, let see”

پھر شامیہ کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ”تم کیا کہو گی۔“

“As far as my concern he is right”

دونوں نے ایک دوسرے کو اشارہ کیا اور وہاں سے غائب ہو گئے۔

چہرے پر سنجیدہ تاثرات کے ساتھ نفیسہ بیگم۔

”آپ نے ان کا attitude دیکھا ہے۔“

سرد مہر رویہ سے احسان جاوید۔

”پریشان نہ ہو سب ہو جائے گا۔“

”کب ہوگا۔“

”کبھی نہ کبھی تو تم پریشان نہ ہو۔“

دونوں کی بحث سن کر بازف مسکرا رہا تھا اس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم۔

”اب تم کیوں مسکرا رہے ہو۔“

”آپ کا سال میں دو تین مرتبہ یہ behaviour دیکھنے کو ملتا ہے تو اچھا لگتا ہے۔“

”لیکن ماما ایک بات ہے۔ آپ typical ماں ہیں یہ اور بات ہے کہ آپ کے پاس وقت کم ہوتا ہے۔ ورنہ ہماری خیر نہیں۔“

باپ کی طرف دیکھتے ہوئے۔

”بابا! آپ اچھا کرتے ہیں جو ماما کو مصروف رکھتے ہیں ورنہ ہم تو کام سے گئے تھے۔“

فخر محسوس کرتے ہوئے احسان جاوید۔

”بیٹا جی! تو پھر احسان مانو۔“

”مانتے ہیں بابا۔“



آج کل دولت مند سیدھے لوگوں پر فیصلہ صادر نہیں کرتے بلکہ لومڑی کی طرح مکاری کا راستہ اپناتے ہیں جس سے سانپ بھی مارتے ہیں اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹنے دیتے۔ اس لیے آج کل دولت مند پر بددعاؤں کا اثر نہیں ہوتا اور نہ کوئی ان کے خلاف کچھ کر پاتا ہے۔ حالانکہ آج کل سوشل میڈیا ایکٹیو ہے ترقی یافتہ دور ہے۔ کوئی بھی بات منٹوں میں پھیل جاتی ہے بات صرف پھیلتی ہی ہے عمل آج بھی نہیں ہوتا۔ یعنی اس کے باوجود نہ کسی کو سزا ملتی ہے نہ کوئی سزاوار ٹھہرایا جاتا ہے کیونکہ دس بندے خلاف ہوتے ہیں تو بیس ساتھ ہوتے ہیں۔

انسانوں نے لومڑی کی ساری مکاریاں سیکھ لی ہیں۔ انسان کچھ بھی کرنے سے پہلے میدان تیار کرتا ہے۔ پھر کوئی قدم اٹھاتا ہے پتہ ہی نہیں چلتا ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ ظالم کی تیاری ہی اس قدر زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا وہ مظلوم کو اپنا غصہ بھی نکالنے دیتا ہے۔ اس کے باوجود ظالم کے جال میں پھنس جاتا ہے اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا صرف وہ ہی ظالم کے ظلم سے بچ سکتے ہیں جو سیدھے راستے پر بغیر کسی میل کے چلتے ہیں ایسے لوگ کم ہوتے ہیں لیکن ابھی بھی موجود ہیں ورنہ دنیا کب کی ختم ہو چکی ہوتی۔

ظلم ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا صرف ان چند عظیم لوگوں کی وجہ سے دنیا قائم ہے اور رہے گی۔ جس دن یہ ختم ہو گئے سمجھو یہ دنیا بھی ختم ہو گئی۔

اب اختر نواز نے بھی لومڑی والی مکاری شروع کر دی تھی اگر عمیر کو اپنے فارم ہاؤس پر بلا لیتا تھا۔ اپنے بڑے بڑے دوستوں سے ملواتا تھا۔

عمیر کو ساتھ لگاتے ہوئے اختر نواز۔

”یہ عمیر ہے میرا خاص دوست کیونکہ انسان بڑا اچھا ہے اور دکھ درد کا ساتھی ہے۔“

اس کے دوستوں میں سے ایک محبت کا اظہار کرنا شروع ہو گیا۔

”آپ کا دوست تو سمجھو ہمارا بھی دوست۔“

دوسرا عمیر سے اپنائیت کا احساس دلانے لگا۔

”یار! اگر کسی بھی قسم کی favour چاہیے ہو تو ہمیں یاد کرنا۔“

مروت کا جواب مروت سے دیتے ہوئے عمیر۔

”شکریہ! اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔“

مزید عمیر کو اختر نواز آسمان پر بٹھانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”کہا نہ بڑا عظیم انسان ہے کسی سے مدد نہیں مانگتا بلکہ دوسروں کی مدد کرتا ہے۔“

وہ بھی سب بھول کر خوشامد کا شکار ہو رہا تھا اور آسمان پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔

”شکریہ......شکریہ۔“

”اگر آپ کو کوئی مدد چاہیے تو ضرور بتانا جان بھی حاضر ہے۔“ وہ دیکھ رہا تھا کہ عمیر پر لفظ اثر کر رہے ہیں تو وہ مزید اس کو آسمان پر بٹھانے لگا۔

”جان نہیں چاہیے وقت آنے پر صرف مدد کر دینا۔“

ضرور......ضرور۔

اب تو عمیر کے گھر تحفے بھی آنے لگ گئے تھے عمیر کے ساتھ شفیق احمد پر بھی مکاری کی توپ چلائی جا رہی تھی لیکن اس پر کہاں اثر ہونا تھا۔ وہ تو عظیم لوگوں میں سے تھا جن کا مقصد قربانی دے کر باقی دنیا کو بچانا ہوتا ہے۔

دفتر سے شفیق احمد گھر آ رہا تھا کہ اختر نواز نے اس کو دیکھ لیا تو گاڑی روک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی شفیق احمد کی سائیکل پاس سے گزرنے لگی اختر نواز۔

”السلام وعلیکم۔“

سرسری انداز میں شفیق احمد مروت سے۔

”وعلیکم السلام۔“

ابھی اختر نواز کچھ اور کہنا ہی چاہ رہا تھا لیکن وہ دور بھی جا چکا تھا۔ کیونکہ اس کو تعلق نہیں رکھنا تھا۔ پھر اختر نواز بھی گاڑی چلا کر چلا گیا۔

ایک دن شفیق احمد سبزیاں لا رہا تھا تو اختر نواز گلی میں فوج سمیت مل گیا تھا اس نے آگے بڑھ کر سلام کیا وہ بھی وعلیکم السلام کہہ کر آگے ہو گیا۔

لیکن اختر نواز" ہمارے ہوتے ہوئے آپ بوجھ کیوں اٹھا رہے ہیں۔"

"بیٹا! اپنا بوجھ خود اُٹھانا چاہیے یہی بہتر ہے۔"

"لیکن مجھے یہ گوارا نہیں۔"

اس نے اپنے بندوں کو حکم دیا اور انہوں نے جلدی سے سبزیاں اٹھا کر ان کے دروازے کے اندر رکھ دیں۔

اندر سے تو شفیق احمد کو اچھا نہیں لگا تھا لیکن مروت و لحاظ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے شکریہ ادا کر کے اندر چلا گیا۔

اس کے چہرے کے تاثرات اختر نواز نے بھی پڑھ لیے تھے۔

باپ کو دیکھ کر عائشہ تشویش کا اظہار کرتے ہوئے۔

"ابو! کیا ہوا ہے۔ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔"

"بس بیٹا! کچھ لوگوں کا بے جا محبت کا اظہار اچھا نہیں لگ رہا۔"

"کس کا ابو۔"

"اختر نواز۔ اور کون ہوگا۔"

باپ کی ہمت بندھاتے ہوئے عائشہ اطمینان سے۔

"ابو! ایسے لوگوں کو نہیں دیکھتے اور اپنے راستے پر چلتے رہتے ہیں۔"

"بیٹا! ہم تو اپنے راستے پر ہیں۔"

"لیکن یہ احساس دلاتے ہیں ہم آ رہے ہیں۔"

"تو کوئی بات نہیں ہم بھی تیار ہیں۔"

بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شفیق احمد۔

”بیٹا ان کا آنا خطرے سے خالی نہیں۔“

باپ کو سہارے کا احساس دلاتے ہوئے۔

”کوئی بات نہیں ہم بھی تیار ہیں۔“

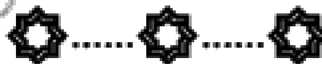
تحفوں کی آمد نے تو عالیہ بیگم کی سوچ بھی اختر نواز کے بارے میں بدل دی تھی۔

”بیٹا! اختر نواز بڑا اچھا انسان ہے۔ ایسے ہی ہم بدگمان ہو رہے تھے۔ سچ میں ہم سب کا بہت خیال رکھتا ہے۔“

بہو بھی ساس کی باتیں سن کر حیران ہو رہی تھی لیکن دل میں سوچ رہی تھی ”کہ چند دن پہلے تو وہ عجیب انسان تھا کچھ دن میں اچھا کیسے ہو گیا ہے۔“

لیکن پھر خود سے ہی۔ ”کیا مجھے بھی ان کی طرح آم کھانے چاہئیں اور پیڑ نہیں گننے چاہئیں۔ یہ ماں بیٹا جتنے لٹو ہو رہے ہیں ان کو جلد ہی حساب دینا ہو گا نہ جانے اِن کو کیوں نظر نہیں آ رہا۔ مجھے تو اس بیچاری پر ترس آ رہا ہے جس پر پہاڑ گرنے والا ہے۔ کل جا کر اس سے ملوں گی اس میں کتنی ہمت ہے سمجھنے کی یا پھر وہ بھی لٹو ہو گئی ہے۔ اس پر تو ان سے زیادہ نوازشیں ہو رہی ہوں گی۔

چلو! کل دیکھیں گے۔“



(قسط نمبر: 2)

ٹائی کو سیٹ کرتے ہوئے احسان جاوید۔ ''بیگم! جلدی کرو، کہاں ہو؟''

وہ کمرے سے باہر کھڑی خالدہ کو ہدایات دے رہی تھی۔

''بس تیار ہوں آپ باہر آئیں۔''

''خالدہ! بچوں کا خیال رکھنا وقت پر کھانا دینا اور پڑھنے کے لیے بھی بٹھانا۔ پروین سے میں نے کہا ہے جو تم کہو وہی بچوں کے لیے بنا دے گی۔''

کمرے سے باہر آ کر احسان جاوید۔

''بیگم پہلے ہی تم نے ایک ہفتہ پروگرام delay کروا دیا ہے ابھی بھی تمہاری ہدایات ختم نہیں ہو رہی ہیں۔''

شوہر کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

''آپ کے بچے بھی ہیں ان کا بھی سوچنا ہے۔''

بیوی کو تسلی دیتے ہوئے احسان جاوید۔

''خالدہ ہے نا پھر آپ کو کیا فکر۔''

''آخر کو ان کی آیا ہے۔''

''پھر وہی بات۔

میں جاتی ہوں۔''

بحث ختم کرتے ہوئے۔

''جی جناب! ہم نے کب انکار کیا۔''

”بس عرض ہے اب ہم چلیں۔“

ٹالتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

”آپ جا کر گاڑی میں بیٹھیں۔ میں آتی ہوں۔“

وہ چپ چاپ چلا گیا تو نفیسہ بیگم خالدہ کو سمجھانے کے بعد کچن میں پروین کو ساری ہدایات دینے چلی گئی۔ ابھی نکل ہی رہی تھی تو سامنے بازف مل گیا۔

اس کو دیکھ کر احسان جاوید نے گہری سانس لی۔

”لو! اب اس کی باری ہے۔“

”شکر ہے میں نے پانچ گھنٹے پہلے ہی نکلنے کو کہہ دیا تھا۔“

بیٹے کو دیکھتے ساتھ نفیسہ بیگم۔

”بازف! بہن بھائی کا خیال رکھنا۔“

پھر اس کو خیال آ گیا تھا کہ وہ رات بھر گھر نہیں آیا تو تشویش سے پوچھنے لگی۔

”ساری رات کہاں تھے؟“

”آپ کو بتایا تو تھا کہ نیو ایئر پارٹی ہے۔“

”اچھا چلو! اب جا کر سو جاؤ۔“

ان کی باتوں سے تنگ آ کر احسان جاوید۔

”بیگم آ بھی جائیں دیر ہو رہی ہے۔“

وہ بیٹے کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

جیسے ہی وہ گاڑی میں بیٹھی احسان جاوید۔

”بیگم! آپ impossible ہے۔“

”آپ کی آپا نے آپ کو اس طرح بنا کر ہم پر بڑا ظلم کیا ہے۔“
آنکھیں دکھاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔
”کیا مطلب؟“
”مطلب یہ کہ آپ کی یہ مڈل کلاس عورت جس کو گھر کے علاوہ کچھ سوجھتا ہی نہیں۔“
”آپ تو ہماری کلاس کی لگتی ہی نہیں۔“
غور سے احسان جاوید کو دیکھتے ہوئے۔
”کیا آپ ہم سے تنگ ہیں۔“
اس کو اہمیت کا احساس دلاتے ہوئے۔
”جناب! آپ جیسا کہاں ملتا ہے میں آپ کو پا کر بہت خوش ہوں۔“
خوش ہوتے ہوئے۔
”جناب! پھر یہ تو ہیرے کا حسن ہے۔ جس کو آپ ظلم کہہ رہے ہیں۔“
اپنی خوش قسمتی کا اظہار کرتے ہوئے۔
”وہ تو مذاق سے کہا ہے۔ ورنہ آپ جیسے لوگ کہاں ملتے ہیں۔ اس لیے تو آپ کو پا کر خوشی سے زندگی گزار رہے ہیں، نہ تو آپ سے پہلے کسی سے محبت کی اور نہ بعد میں کریں گے۔“
اگلے دن ہی آمنہ عائشہ کے گھر پہنچ گئی تھی۔ عائشہ نے دروازہ کھولا تو سامنے اس کو پا کر اندر لے گئی تھی۔
اس کا آنا اس کے لیے غیر معمولی تھا تو تشویش کا اظہار کرتے ہوئے۔
”بھابھی! آپ کو اپنے گھر پا کر حیرت ہوئی۔“
لاپرواہی سے آمنہ عائشہ کو دیکھتے ہوئے۔

”میں تو وہ دیکھنے آئی ہوں جس پر اختر نواز آج کل مہربان ہے۔“

سخت لہجے سے عائشہ۔

”ہم پر ان مہربانیوں کا اثر نہیں ہوتا۔“

”لیکن دوسرے تو ان سے اس کے گرویدہ ہو گئے ہیں۔“

اس کو احساس دلاتے ہوئے عائشہ۔

”ہم چیزوں سے زیادہ اندر کے انسان کے گرویدہ ہوتے ہیں۔“

طنزیہ انداز میں آمنہ۔

”یہاں سب بکتا ہے۔“

سخت لہجے میں عائشہ۔

”آپ دیکھیں گی ہم نہیں۔“

چلتے چلتے آمنہ عائشہ کو دیکھتے ہوئے۔

”مرجانی! تم تو کسی کے بھی ہوش بھلا دینے والی ہو۔ اختر نواز کیا چیز ہے۔ خود کو چھپا کر رکھا کرو۔ یہ کیا...... کسی اور اختر انواز کے ہاتھ نہ چڑھ جانا۔“

حیرت سے عائشہ، کیونکہ اس کی ماں کہتی تھی کہ وہ خوبصورت نہیں۔

”اختر نواز کا دماغ خراب ہے ورنہ مجھ میں کچھ نہیں۔“

یہ وہ بات تھی جو عائشہ کی ماں نے اس کے دماغ میں ڈالی تھی یعنی انسان پر باتوں کا اثر ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ پڑھی لکھی تھی پھر بھی خود کو خوبصورت نہیں سمجھتی تھی۔

حیرت سے آمنہ اس کو دیکھنے لگی۔

”یعنی حور ہو اور احساس بھی نہیں۔“

’’پھر تو میری دعا ہے جو آگے ملے انسان ہو کیونکہ ایک بار تو شاید بچ جاؤ دوسری مرتبہ ممکن نہیں۔‘‘

معصومیت سے عائشہ۔

’’مطلب؟‘‘

وضاحت دیتے ہوئے آمنہ۔

’’میری بھولی حور! اس سے بچو گی تو کوئی اور بھی آئے گا۔‘‘

اس کی بات کو سمجھنے کے لیے عائشہ۔

’’اگر اس کے ہاتھوں ماری گئی تو۔‘‘

وضاحت دیتے ہوئے آمنہ۔

’’انسان کے ساتھ جو ایک مرتبہ ہوتا ہے وہ دوبارہ بھی ہوتا ہے۔‘‘

’’دوسرا اس مرتبہ نہیں ماری جاؤں گی چاہے سب جل گیا کیونکہ تمہارا باپ اور عمیر نہیں مرنے دیں گے۔‘‘

حیرت سے عائشہ۔

’’باپ تو مانا لیکن عمیر کیوں؟‘‘

اس کو غور سے دیکھتے ہوئے آمنہ۔

’’کیونکہ مجھے تم اچھی لگی ہو اور میں اس کی بیوی ہوں اور کچھ نہیں۔ میں جانتی ہوں کہ وہ بھی کوئی اتنا اچھا نہیں کہ تمہاری خاطر اختر نواز سے ٹکر لے۔‘‘

مزید جاننے کے لیے عائشہ۔

’’میرے باپ کو آپ کیسے جانتی ہیں۔‘‘

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔

"تمہاری معصومیت دیکھ کر۔ کیسے ہیرے کو اس نے تراشا ہے۔"

"تو خود سوچو! جوہری کتنا کمال ہوگا۔"

اس کی باتیں عائشہ کو مزید حیران سے حیران تر کر رہی تھیں اس کی نظریں آمنہ کے چہرے پر تھیں۔

"آپ کو دو منٹ میں کیسے پتہ چلا۔"

"چاول کا ایک دانہ چکھا جاتا ہے پوری دیگ نہیں کھائی جاتی۔"

جاتے ہوئے عائشہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے۔

"چلتی ہوں معصوم حور۔"

☆......☆......☆

کچھ دن نوازشوں کے ختم ہوئے تو عمیر اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر اختر نواز ملازموں کی فوج لے کر شفیق احمد کے گھر پہنچ گیا تھا۔

ان عظیم لوگوں کا مسئلہ یہ ہی ہوتا ہے کہ مروت و لحاظ ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوتا ہے۔ دنیا دار ہو تو اگر مطلب نہیں دینا تو دروازے سے واپس لوٹا دیتے ہیں۔ اگر مطلب دینا ہو یا لینا ہو تو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔

شفیق احمد ان کے لیے چائے لایا ان کو پیش کی۔

کچھ زیادہ محبت کا اظہار کرتے ہوئے اختر نواز۔

"ہم چائے تب ہی پئیں گے جب آپ رشتے کے لیے ہاں کر دیں گے۔"

سخت لہجے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے۔

”بیٹا! میں نے پہلے بھی کہا تھا نہیں۔ اب بھی نہیں کہوں گا۔“

وضاحت کرتے ہوئے اختر نواز۔

”مجھ میں خامی ...... پڑھا لکھا ہوں ...... دولت مند بھی ...... خوبصورت بھی۔“

اس کو غور سے مگر سخت انداز میں بتاتے ہوئے۔

”سچ ہے...... تم پڑھے لکھے ہو وہ بھی بیرون ملک سے، دولت مند ہو ہماری سات نسلوں میں کسی کے پاس اتنی دولت نہیں تھی...... خوبصورت بھی ہو۔“

”تو پھر انکار کیوں؟“

”اگر آپ کہتے ہیں تو آدھی جاگیر عائشہ کے نام کر دوں گا ابھی۔“

انکار کرتے ہوئے۔

”یہ سب نہیں چاہیے۔“

”تو پھر کیا چاہیے۔“

”بیٹا! تم میں اور ہم میں نظریات کا فرق ہے۔ تم زندگی کو جس نظر سے دیکھتے ہو ہم نہیں۔“

اس کی زندگی میں پہلی مرتبہ کسی نے نظریئے کی بات کی تھی جو اس کو عجیب لگی تھی۔

حیرت سے۔

”مطلب؟“

”بیٹا، ہماری زندگی کردار کے مدار میں گردش کرتی ہے اور تمہارے نزدیک دولت اہم ہے۔“

وہ جو خود کو سمجھتا تھا کہ یہاں پر لوگ اس کی سیاست کو نہیں سمجھتے جس کو جیسے چاہتا ہے گھما لیتا ہے اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

خود پر قابو پاتے ہوئے شفیق احمد کو دیکھے جا رہا تھا۔ بغیر بولے کیونکہ اس کے پاس جواب نہ تھا شفیق احمد......

"یہ نظریے کا فرق ازل سے ہے...... سقراط نے زہر کا پیالہ نظریات کے لیے پیا...... حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یزید سے جنگ حکومت کے لیے نہیں بلکہ نظریات کے فرق کی وجہ سے کی۔"

ان باتوں نے اختر نواز کی انا کو ہلا دیا تو وہ۔

"مطلب؟...... میں ظالم ہوں۔"

سخت لہجے میں شفیق احمد۔

"فیصلہ تم نے خود کرنا ہے...... میں تو صحیح اور غلط بتا رہا ہوں۔"

وضاحت دیتے ہوئے اختر نواز۔

"صحیح یا غلط تب ہو جب میں کسی پر زبردستی کروں...... میں تو سیدھے راستے پر چلتا ہوں ہر لڑکی کی مرضی سے حق مہر دے کر نکاح کرتا ہوں۔ کسی ایک سے بھی پوچھ لیں۔ میں نے اس کو حق مہر نہ دیا ہو بلکہ اس سے زیادہ دیتا ہوں۔"

"لیکن ہمیں نہیں چاہیے حق مہر یا جائیداد۔"

زور دیتے ہوئے اختر نواز۔ "بتایئے کبھی کسی نے کچھ کہا۔"

سنجیدگی سے اس کے ضمیر کو ہلانے کے لیے شفیق احمد۔

"یہ کر کے تم سمجھتے ہو کہ تم کو پاک ہونے کا سرٹیفکیٹ مل گیا اور ہم چاہتے ہیں ہماری وجہ سے کسی کو تکلیف بھی نہ ہو۔"

"اور یہ بتاؤ یہ تم زبردستی نہیں تو کیا کر رہے ہو۔"

وضاحت دیتے ہوئے اختر نواز۔

”پہلی بار کسی کے گھر دو مرتبہ آیا ہوں نجانے کیوں۔“

”کیونکہ کسی نے پہلے انکار نہیں کیا۔...... یہ ہے نظریے کا فرق۔“

”تو پھر یہ فرق مجھے کچھ اور کرنے پر مجبور کردے گا۔“

”تو پھر بیٹا! ہم بھی لڑیں گے...... یا تو جیت جائیں گے یا مر جائیں گے۔“

سخت لہجے میں۔

”مرنے کے امکانات زیادہ ہیں۔“

سخت انداز میں دشمن کو جواب دیتے ہوئے۔

”ایسے کاموں میں پھر زہر کا پیالہ پینا پڑتا ہے۔“

دھمکی دیتے ہوئے۔

”سوچ لیں بڑا کڑوا ہوتا ہے۔“

”راستہ چنتے ہی سوچ لیا تھا۔“

اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے شفیق احمد۔

”لیکن یاد رکھنا زہر کا پیالہ پینے والے ہمیشہ امر ہو جاتے ہیں۔...... شاید اسی طرح ہم امر ہو جائیں۔“

دھمکی کے انداز میں۔

”تو پھر تیار رہیے گا۔ میں آپ کو امر ہونے کا موقع دوں گا۔“

”تم فکر نہ کرو ہم تیار ہیں۔“

چلتے چلتے اختر نواز۔

"اب صرف حکم آئے گا درخواست کی آمد مت کیجیے گا۔"

سخت لہجے میں شفیق احمد۔

"ہم نے کفن باندھ لیا ہے آج سے......تم ہمیں تیار پاؤ گے......خدا حافظ۔"

"خدا حافظ۔" طنزیہ انداز میں اختر نواز۔

اس کے جانے کے بعد عمیر عالیہ بیگم اور ملازم سارا سامان لے کر اس کے پیچھے چل دیئے تھے۔ سب اونچ کے ساتھ ہوتے ہیں عمیر کی ماں نے تو دیکھنا بھی گوارا نہ کیا تھا البتہ عمیر نے نظریں چرا کر دیکھا۔ وہ ملازموں کی فوج کے ساتھ اپنے گھر اور عمیر اور عالیہ بیگم اپنے گھر چلے گئے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی عالیہ بیگم اپنے گھر کو بچانے کا سامان کرنے شروع ہو گئی تھی۔

"بیٹا تم اس جنگ میں نہ آنا۔ ہم غریب لوگ ہیں مجھے بھی یہ اچھا نہیں لگا لیکن کر کچھ نہیں سکتے۔"

فرمانبردار بیٹے کی طرح عمیر ماں کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔ کونے میں کھڑی آمنہ جو سب سن رہی تھی۔ خود سے ان کے پہلے دن اور آج کے دن کے رویوں کا موازنہ کر رہی تھی اور وقت کے رنگ دیکھ رہی تھی۔

"واہ! دولت تیرے رنگ ہم تو چھوٹے سے فائدے کے لیے بک جاتے ہیں......تو سقراط کو تو زہر کا پیالہ پینا ہی تھا۔ اس پیالے کو کوئی نہیں توڑ سکتا تھا۔ سچ میں زہر پینے والے بڑے عظیم لوگ ہوتے ہیں۔ میں بھی زہر پینے والوں کا ساتھ دوں گا......میں عائشہ کو بچانے کی کوشش کروں گی ہو سکتا ہے میں اس پیالے کو توڑ دوں۔"

رات اختر نواز کے لیے دشوار راستے کی طرح تھی آج اس کو جس قدر سننا پڑا تھا اس کو نہ تو سننے کی عادت تھی اور نہ کسی کی جرأت ہوئی تھی سنانے کی۔ رات بھر وہ بستر پر کروٹ بدلتا رہا تھا

شفیق احمد کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے۔

دوسری طرف شفیق احمد اور عائشہ پرسکون سو رہے تھے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

یہ ہوتا ہے ضمیر جو ہر انسان کے اندر ہوتا ہے جو جھنجھوڑتا ضرور ہے۔ کوئی جاگ جاتا ہے اور کوئی سویا رہتا ہے۔ جن کے ضمیر پرسکون ہوتے ہیں وہ پرسکون نیند سوتے ہیں۔ دوسرا ضمیر کے ہاتھوں مجبور ہو کر اس کو پرسکون کرنے کی بجائے اس کو سلانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ ضمیر کو سلانے کے لیے دس انسانوں کی قربانی دے دیتا ہے۔

یہی حال اختر نواز کا بھی تھا وہ ضمیر کو سلانے کے لیے عائشہ اور اس کے باپ کی قربانی کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا تا کہ انا قائم رہے۔ اور خود ضمیر کے سامنے کھڑا نہ ہونا پڑے ورنہ اگلے پچھلے سارے حساب وہ مانگ لے گا۔ اس نے حساب مانگا تو وہ کیا کرے گا۔

☆......☆......☆

دنیا میں دولت اور معاشرے میں آپ کا مقام آپ کی زندگی کو آسان اور آپ کو دوسروں کے لیے عملی نمونہ بنا دیتا ہے پھر سب آپ کے ہی گن گاتے ہیں۔ آپ صحیح کریں یا غلط سب کو لگتا ہے کہ آپ نے جو کہہ دیا وہ سب اچھا ہے آپ نے جو کہہ دیا ہے یہ حرفِ آخر۔ اس میں سب ہو جائے گا۔

بازف کا بھی اپنے دوستوں میں کچھ ایسا ہی حال تھا۔ فرحان سب دوستوں میں بیٹھ کر اپنی کلاس میں آنے والی صحراب کے غرور کو توڑنے کے لیے بازف کو مجبور کر رہا تھا۔

"یار! صحراب کو دیکھا خود کو تیس مار خان سمجھتی ہے۔"

اس کی طرف متوجہ ہو کر بازف۔

"ہاں......تو......؟"

التجاء کے انداز میں فرحان۔
''یار! تم جس لڑکی کو چاہتے ہو گرویدہ کر لیتے ہو تو پھر اس کو ذرا گھما دو۔''
ارحم بھی فرحان کا ساتھ دیتے ہوئے۔
''یار! یہ ٹھیک کہتا ہے۔ بڑے Tantrum اس کے۔''
لاپرواہی سے بازف۔
''مجھے کوئی دلچسپی نہیں صحراب میں۔''
''ہم کب کہہ رہے ہیں دلچسپی لو صرف Tantrum نکال دو۔''
اصرار کرتے ہوئے ارحم۔
''نہیں تو لے لو''
''لیکن کیوں لوں؟''
''اگر Tantrum ہیں تو رہے۔''
اس کے قدموں میں بیٹھتے ہوئے فرحان۔
''پلیز یار! اس کے بدلے سب کو میری طرف سے grand party ملے گی۔''
لاپرواہی سے بازف۔
''مجھے نہیں چاہیے۔''
سب اصرار کرنے لگ گئے۔
''پلیز یار...... پلیز یار......''
سب کو دیکھ کر۔
''ٹھیک ہے ماں بدولت کل سے اس پراجیکٹ پر کام شروع کریں گے۔ پہلے دیکھوں گا

کیونکہ میں نے کبھی نوٹس ہی نہیں لیا۔“

اس بات پر ہی سب خوش ہو گئے تھے کیونکہ ان کو یقین تھا وہ سب کر لے گا کیونکہ اس نے کہہ دیا ہے۔

”ہمیں یقین ہے تم اس کو دو دن میں پا لو گے۔ پھر دیکھنا اس کے Tantrum کہاں جاتے ہیں۔“

ان کی خوشی دیکھ کر منہ بنا کر۔

”تم سب بڑے کمینے ہو لیکن کوئی بات نہیں۔“

☆......☆......☆

کل رات کے بعد شفیق احمد بھی ذہنی طور پر تیار ہو گیا تھا کہ اختر نواز سکون سے نہیں بیٹھے لیکن اس کے پاس وقت کا انتظار کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا۔

دفتر جاتے ہوئے شفیق احمد۔

”عائشہ میرے علاوہ کوئی بھی آئے تم نے دروازہ نہیں کھولنا۔“

فرمانبردار بیٹی ہونے کے ناطے عائشہ۔

”جی ابو! آپ فکر ہی نہ کریں۔“

باپ کے جانے کے بعد وہ دروازہ بند کر لیتی تھی۔ وہ دفتر چلا جاتا تھا۔

دشمن سے بچنے کے لیے یہ چھوٹی چھوٹی تدبیریں اکثر شریف لوگ اختیار کرتے ہیں جو کوئی معنی نہیں رکھتیں۔ اپنے فارم ہاؤس پر عمیر کو بلا کر اختر نواز اپنی شادی کا منصوبہ بنا رہا تھا۔

خود کو اور عمیر کو مطمئن کرنے کے لیے اختر نواز عمیر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔ ”تم نے دیکھا میں نے کس قدر شفیق احمد صاحب کو عزت دی لیکن ان کو عزت راس نہیں آئی۔“

اس کے منصوبے جاننے کے لیے عمیر۔

"اب آپ کیا کریں گے۔"

"شادی۔"

"مگر کیسے؟"

"جب گھی سیدھی انگلیوں سے نہ نکلے تو ٹیڑھی کر کے۔"

سمجھنے کے انداز میں۔

"میں تو آپ سے کہوں گا چھوڑو عائشہ کو۔کوئی اور دیکھ لو۔آپ کو لڑکیوں کی کمی تھوڑی ہے۔"

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر۔

"یار! اس پر دل آ گیا ہے۔ویسے بھی ان میں بڑا گھمنڈ ہے جو مجھے پسند نہیں۔بس اس کو توڑنا ہے۔"

فرمانبردار کتے کی طرح عمیر۔

"تو پھر مجھے اب کیا کرنا ہے۔"

"تم اب جاؤ میں تمہیں کل بتادوں گا تم کو کیا کرنا ہے۔"

ٹھیک ہے تو میں چلتا ہوں۔"

اس کو جب سے اختر نواز نے بلایا تھا اس وقت سے آمنہ گھر میں اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

اس کے گھر پہنچتے ہی آمنہ عمیر سے۔

"کیا حکم صادر فرمایا ہے تمہارے اختر نواز نے؟"

''ابھی تو کہا ہے کل بتاؤں گا۔میرا خیال ہے منصوبہ بنا رہا ہے۔''

آمنہ تجسس بھرے انداز سے۔

''کیسا منصوبہ؟''

زور دیتے ہوئے عمیر۔

''بس اس نے انگلیاں ٹیڑھی کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

پختہ انداز میں۔

''تو پھر ہم دونوں کو اس کی انگلیاں توڑنی ہوں گی۔''

خدشات کو ظاہر کرتے ہوئے۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں۔ہم کسی کو شک بھی نہیں ہونے دیں گے۔''

''بس تم مجھے اختر نواز کے منصوبے بتاتے رہنا اور میں عائشہ کو۔''

منہ بناتے ہوئے آمنہ۔

''یار! تیری ہمسائی پوری حور ہے۔''

''سچ بتاؤ تم نے بھی اس پر بڑی ٹرائیاں ماری ہوں گی۔''

جیسے کسی نے چوری پکڑلی ہو منہ چھپاتے ہوئے۔

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔''

ڈھٹائی سے آمنہ۔

''جھوٹ تو مت بولو۔''

''منہ پر لکھا ہے۔''

"لیکن وہ ایسی نہیں ہے۔"

"تمہیں صفائی دینے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو مجھے اس کو مل کر اندازہ ہو گیا تھا۔"

حیرت سے۔

"تم کب ملی۔"

"کل گئی تھی یہ دیکھنے کہ وہ کیا چیز ہے۔"

"سچ میں معصوم حور ہے۔"

بات بدلنے کے لیے عمیر۔ "تم نے ناشتہ کیوں نہیں بھیجا۔"

"مجھے اندازہ تھا اگر بھیجتی تو نہ ہی ہونی تھی۔"

اس کا ہاتھ پکڑ کر۔

"لیکن تم یہ سب کیوں کر رہی ہو؟"

منہ بناتے ہوئے۔

"میرے جیسی straight forward لڑکیاں سب کچھ آسانی سے تسلیم کرلتی ہیں۔ تم جیسے لڑکوں کی طرح نہیں ہوتیں جو ڈبل پالیسی چلتے ہیں۔"

اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے۔

"لیکن اب وہ میری بہن ہے۔ صرف کہا نہیں مانا بھی ہے۔"

لاپرواہی سے آمنہ۔

"اچھا ہے وقت پر عقل آ گئی یا اس نے دلوائی ہے کیونکہ تم سے میں یہ اُمید نہیں رکھ سکتی۔"

"مجھے تو دلوانے سے آ گئی لیکن اختر نواز کو تو پھر بھی نہیں آ رہی۔"

"اس کے پاس پیسے کا غرور ہے جو کچھ سمجھ آنے نہیں دیتا۔"

دل میں عمیر۔

''بات وہاں سے پکڑتی ہے جہاں سے گمان بھی نہ ہو۔''

☆......☆......☆

دو دن سے بازف صحراب کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ جب وہ کینٹین پر جاتی تھی وہ بھی کینٹین پر جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ وہ دیکھتا کہ وہ اچھے طریقے سے وہاں کے لوگوں سے ملتی تھی۔ وہاں پر کام کرنے والے بچے کو اس نے پیسے دیئے۔

''اگلے ماہ دوبارہ پیسے دوں گی بس تم دھیان سے پڑھنا۔''

دوسرے لڑکوں کے ساتھ بھی بے تکلف نہیں تھی۔ صرف کام سے کام رکھتی تھی۔ اس کی کسی ساتھی کو اگر پڑھائی میں مدد چاہیے ہوتی تو بڑھ چڑھ کر دیتی تھی۔

یہ تو بازف پر واضح ہو گیا تھا وہ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتی اور نہ خود کے ساتھ کسی کو کرنے دیتی۔

اس طرح بازف پر صحراب کی حقیقت ظاہر ہو گئی تھی جو اس نے کبھی کلاس فیلو ہونے کی حیثیت سے محسوس نہیں کی تھی۔

سب دوست بیٹھے ہوئے تھے تو بازف آ کر۔

''میں نے ہار مانی۔''

حیرت سے فرحان۔

''why it is impossible project''

بے اعتنائی سے۔

''نہیں وہ باکمال ہے میں اس کی عزت نہیں اچھال سکتا۔''

ارحم۔ ''لیکن کیوں؟ تم کو اس سے ہمدردی ہے۔''

''پہلی بات میں اچھوں کے ساتھ اچھا اور بروں کے ساتھ برا ہوں۔ دوسری بات میں اپنے بابا کی اس بات پر عمل کرتا ہوں کہ گناہ کی معافی ہے لیکن ظلم کی نہیں۔ جب وہ کسی کے ساتھ غلط نہیں تو تم سب کو کیا مسئلہ ہے۔''

غصے سے فرحان۔

''وہ جو اس میں اتنا گھمنڈ ہے۔''

بے اعتنائی سے بازف۔

''حسن ہو تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔ وہ نہ صرف باہر بلکہ اندر سے بھی اچھی ہے۔ تم سب کو مسئلہ یہ ہے کہ وہ تم سب کو lift نہیں کرواتی۔ تو یہ اس کی مرضی ہے۔''

غصے سے فرحان۔

''تم نے تو سب برباد کر دیا ہے۔''

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بازف۔

''غصہ کرنے کی بجائے اپنا لو۔''

سب دوست فرحان سے۔ ''مشورہ تو اچھا ہے۔''

سوچتے ہوئے فرحان۔

''اس پر عمل کروں گا۔''

''اس کی طرف دیکھتے ہوئے۔

''اگر تمہاری مدد چاہیے ہوئی تو مدد کرو گے؟'

سوچتے ہوئے بازف۔

”ضرور.......کیوں نہیں۔“

☆......☆......☆

کہتے ہیں اگر آپ چاہتے ہیں کہ راز دشمن کو پتہ نہ چلے تو دوست کو بھی نہ بتاؤ۔اس لیے عمیر اور آمنہ نے عائشہ کو اختر نواز سے بچانے کا فیصلہ کرلیا تھا۔عمیر اختر نواز کو اس کی بھنک بھی نہیں پڑنے دینا چاہتا تھا۔اس کی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا تا کہ وہ اس سے کھل کر بات کر سکے۔

اختر نواز،خوش گوار انداز سے جیسے دنیا فتح کر لی ہو۔

”آج رات نکاح کے لیے کیسی ہے؟“

”ٹھیک ہے بلکہ بہتر ہے۔“

”چلو!تو تم شفیق احمد کے گھر پیغام پہنچا دینا۔ہم آج رات کو نکاح کرنے آئیں گے۔“

تجسس کے انداز میں عمیر۔

”رات کو ہی کیوں؟دن میں بھی ہو سکتا ہے۔“

اپنی عقلمندی کا اظہار کرتے ہوئے اختر نواز۔

”تم تو جانتے ہو وہ تیار نہیں۔اگر صبح میں زبردستی کی تو ایسے ہی کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔ رات ہر راز کو چھپا لیتی ہے۔اور کسی کو خبر بھی نہیں ہونے دیتی۔“

”ٹھیک ہے میں پیغام دے دوں گا۔“

یہ کہتے ہی عمیر چل دیا۔

”اس کو روک کر اختر نواز۔“ایک بات اور،ذرا پورے علاقے میں یہ بات پھیلا دو کہ شفیق احمد نے مجھے رشتہ دے دیا ہے۔“

حیرت سے عمیر۔

”لیکن وہ کیوں۔“

”تاکہ لوگوں میں میری عاجزی کے چرچے ہو جائیں اور کسی کو شک نہ ہو میں نے زبردستی کی ہے۔“

جاتے جاتے عمیر۔

”جناب جیسے آپ کا حکم۔“

اس کے جاتے ہی اختر نواز نے اپنے ملازم کو بلایا اور پورے گھر کو سجانے کا حکم صادر کر دیا۔

”رات کے لیئے گھر کو اندر سے اس قدر سجایا جائے ایسا محسوس ہو جیسے روشنیاں ہی روشنیاں چمک رہی ہوں۔“

فرمانبرداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملازم۔

”جی جناب جیسے آپ کا حکم۔“

اس نے جا کر دوسرے ملازمین کو مالک کا حکم سنا دیا۔سب کاموں میں لگ گئے تاکہ جلد از جلد حکم کی تعمیل ہو سکے۔

گھر پہنچ کر عمیر آمنہ سے۔

”تازہ ترین اطلاعات کے مطابق رات کو اختر نواز نے شادی کا فیصلہ کیا ہے۔“

منہ بناتے ہوئے آمنہ۔

”اچھا تو کوئی بات نہیں پانچ گھنٹے ہیں۔تم بیٹھو میں ذرا حور کے گھر سے آتی ہوں۔“

تھوڑی حیرت اور بیزاری سے۔

”کون حور؟“

”عائشہ اور کون۔“

ہنستے ہوئے عمیر۔

”واہ! کیا نام دیا ہے۔یار تم بھی بڑی باکمال ہو۔“

جاتے ہوئے آمنہ۔

”اچھا! پھر میں آئی۔“

”جانے سے پہلے بتاؤ کرو گی کیا؟“

”یہ سوچنا پڑے گا۔آ کر سوچتے ہیں ابھی تم بیٹھو میں آئی۔“

یاد کرتے ہوئے عمیر۔

”ایک اور بات حکم صادر ہوا ہے کہ یہ خبر پورے علاقے میں پھیلا دی جائے۔“

ہنستے ہوئے۔”تو پھر پریشانی کیا ہے۔“

”ابھی اماں سے کہو۔دو منٹ میں پھیلا دیں گی۔“

”تم یہ کام اماں سے کرواؤ۔تو میں آئی۔“

جا کر دروازے پر دستک دی تو شفیق احمد نے دروازہ کھولا۔

اس کو دیکھ کر شفیق احمد۔

”خیریت سے بیٹا! آنا ہوا۔“

طنزیہ انداز میں۔

”حکم لے کر آئی ہوں۔“

تشویش کے انداز میں۔

”کس کا حکم؟“

”اختر نواز کا۔“

”تم سنا دو۔“

”جناب! رات کو نکاح کرنے آ رہے ہیں۔“

اطمینان سے شفیق۔

”مجھے علم تھا وہ زبردستی کرے گا۔“

”تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔“

بیٹھے ہوئے شفیق احمد۔

”سمجھ نہیں آ رہا اس کو کہاں چھپاؤں۔“

کھڑی عائشہ جو سب سن رہی تھی۔

”ابو! خودکشی جائز ہے۔“

پریشان ہو کر شفیق احمد۔

”ہرگز نہیں۔ ابھی میں زندہ ہوں۔“

سنجیدہ انداز میں آمنہ۔

”انکل! شام ہونے میں ابھی وقت ہے۔ جیسے ہی شام کو اذان ہو آپ عائشہ کو لے کر نکل جائیے گا۔ جہاں تک اختر نواز کا تعلق ہے عمیر اور میں اس کو مصروف رکھیں گے۔“

اس کی فکرمندی کی قدر کرتے ہوئے شفیق احمد۔

”بیٹا! شاید تم جانتی نہیں اس کے بندے گلی کے کونے پر پہرا دے رہے ہوں گے۔“

سوچتے ہوئے آمنہ۔

”شاید! آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ میں ساری صورت حال کا جائزہ لے کر آتی ہوں۔

گھنٹے ڈیڑھ میں تاکہ شک بھی نہ ہو۔"

وہ تو چلی گئی تھی۔

پریشانی کے عالم میں عائشہ۔

"ابو اب کیا ہوگا۔ہم کیسے نکلیں گے۔"

خود کو سنبھالتے ہوئے شفیق احمد۔

"میں کچھ کرتا ہوں بس تم صبر رکھو۔"

بیوی کی بات شدت سے یاد آرہی تھی۔

"شفیق احمد جس دن کسی درندے کی نظر پڑگئی تو تم پچھتاؤ گے۔"

خود سے ہی۔

"اور میں کیا کرسکتا تھا۔"

جیسے ہی آمنہ باہر نکلی تھی۔اس نے گلی میں اختر نواز کے بندوں کو دیکھ لیا تھا۔اس نے گھر جا کر تمام صورت حال سے عمیر کو آگاہ کیا۔

"اچھا تم بیٹھو میں دیکھ کر آتا ہوں بندے کہاں تک پھیلائے گئے ہیں۔"

جاتے جاتے۔"ہاں میں نے اماں کو بھیج دیا ہے۔"

☆......☆......☆

باہر جاتے ہوئے شفیق احمد۔

"عائشہ، دروازہ بند کرلو میں آیا۔"

ابھی باپ باہر نکلا ہی تھا کہ عائشہ نے دروازہ بند کرلیا۔وہ گلی کے کونے تک بھی نہیں پہنچا تھا کہ اس نے دیکھا اختر نواز کے بندے ذرا ذرا فاصلے پر کھڑے تھے۔شفیق احمد کو دیکھتے ہی

ادب سے سلام کرنے لگ گئے کیونکہ ان کو حکم دیا گیا تھا ان کے آگے پیچھے رہنا ہے اور ان سے عزت واحترام کا مظاہرہ کرنا ہے۔

یہ اختر نواز کی عادت تھی۔ وہ دشمن کو بھی بڑی عزت دیتا تھا اور پھر مارتا وہاں جہاں پر اس کو پانی بھی نصیب نہ ہو۔ یعنی ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔ یہ مکار لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ آپ پر غصہ کم کرتے ہیں ہمیشہ ڈنگ مار کر حال پوچھتے ہیں اس سے پہلے خبر تک نہیں ہونے دیتے۔

وہ گھر واپس آ گیا تھا۔

☆......☆......☆

عمیر پورے علاقے کا چکر لگا رہا تھا تا کہ صورت حال کا اچھی طرح اندازہ ہو سکے۔ وہ ایک ایک گلی میں گیا۔ تقریباً پانچ چھ گلیوں تک بندے کھڑے تھے۔ اس نے گھر آ کر آمنہ کو ساری صورت حال بتائی۔ آمنہ اس کو گھر چھوڑ کر عائشہ کے گھر پہنچ گئی۔

پریشانی سے آمنہ۔

”انکل! تقریباً پانچ چھ گلیوں میں اس کے بندے پھیلے ہیں۔ اب کیا کیا جائے؟ انکل میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔“

”وہ کیا؟“

”اماں باہر گئی ہوئی ہے۔ آپ عائشہ کو چھت سے ہماری چھت پر پہنچا دیں۔ میں آمنہ کو لے کر علاقے سے باہر نکل جاؤں گی۔ چونکہ میرے گھر والے یہاں موجود ہوں گے تو اس کو شک بھی نہیں ہوگا۔ پھر آپ علاقے سے باہر آ جانا۔“

اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے شفیق احمد۔ ”ٹھیک ہے۔“

غصے سے عائشہ۔

"ابھی ابو باہر گئے تھے تو کیسے اس کے ملازم ادب سے جھک جھک کر سلام کر رہے تھے بہت بڑا ڈرامہ ہے۔"

سنجیدہ انداز میں آمنہ۔

"یہ مکار لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔"

اس کی تصدیق کرتے ہوئے شفیق احمد۔

"غصہ کم کرتے ہیں ہمیشہ ڈنگ مار کر حال پوچھتے ہیں۔ کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دیتے۔ زہر جسم میں پہنچانے کے لیے رازداری ضروری ہے۔"

"آپ نے صحیح کہا انکل۔ ورنہ زہر نکالنے کا بندوبست نہ کر لیا جائے۔"

"لیکن بیٹی بعض اوقات دیکھ کر بھی زہر کا پیالہ ہی پینا بہتر لگتا ہے۔ زہر پینے والے ہی ہمیشہ جیتتے ہیں، یاد رکھنا۔"

"میں جاتی ہوں خدا کرے آپ زہر پی کر جیت جائیں۔"

وہ گھر چلی گئی تھی۔

شفیق احمد عائشہ سے۔

"تم اپنی چھت پھلانگ کر اس کی چھت پر چلی جاؤ۔"

عائشہ باپ کی بات سن رہی تھی اور اس کی بے بسی محسوس کر رہی تھی لیکن کر کچھ نہیں سکتی تھی۔ اس نے باپ کی بات پر عمل کیا اور اپنی چھت سے پھلانگ کر ان کے چھت پر جا کر بیٹھ گئی۔

کونے پر کھڑے بندوں کو فون کر کے اختر نواز منٹ منٹ کی خبر لے رہا تھا۔ جیسے کوئی معرکہ سر کرنا ہو۔

”سب ٹھیک ہے کوئی گھر سے نکلا تو نہیں۔“

”نہیں وہ چاچا آئے تھے پھر واپس چلے گئے۔“

”تم لوگوں نے بدتمیزی تو نہیں کی۔“

”نہیں جناب! ہم نے بڑے ادب سے بات کی ہے۔“

”گڈ۔ویری گڈ۔“

شام کی اذان کے بعد اختر نواز عمیر اور عالیہ بیگم کے ساتھ ملازموں کی فوج کے ہمراہ شفیق احمد کے گھر پہنچ گیا تھا۔اس نے بھی ان کو اچھے طریقے سے بٹھایا اور خود کمرے سے باہر چلا گیا۔وہ اس کے پیچھے پیچھے گیا۔اس کے ساتھ ہو کر۔”سب ہو گیا۔“

وہ بھی آہستہ سے۔”ہو گیا۔“

وہ کچن میں جا کر چائے بنانے میں مصروف ہو گیا اور عمیر واپس کمرے میں آ گیا۔

”انکل کیا کر رہے ہیں۔“

”چائے بنا رہے ہیں۔“

”اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔“خوش ہوتے ہوئے اختر نواز۔

اس کو مطمئن کرنے کے لیے عمیر۔

”وہ اپنی مرضی سے کر رہے ہیں تو آپ کرنے دیں۔“چہرے پر فتح کے تاثرات کے ساتھ اختر نواز۔

”اچھا تو ابھی سے رشتے داری نبھائی جا رہی ہے۔“

سب شفیق احمد کے گھر جمع تھے۔آمنہ اور عائشہ منہ ڈھانپ کر عمیر کے گھر سے اگلے گھر کی چھت پر سے ہو کر پچھلی والی گلی سے نکل گئی تھیں بغیر کسی بھی رکاوٹ کے علاقے سے باہر نکل

گئی تھیں۔

شفیق احمد نے چائے لاکران کے سامنے رکھی اوران کوپیش کی۔لیکن اختر نواز چائے پینے کی بجائے نکاح پراصرار کررہا تھا۔

مطمئن انداز میں شفیق احمد۔

’’جلدی کیا ہے چائے توپی لو۔‘‘

چائے پینے کے بعد جوانہوں نے گلے سے مشکل سے اتاری تھی۔’’نکاح شروع کیجئے۔‘‘

سخت لہجے میں شفیق احمد۔

’’کس سے؟‘‘

وہ بھی غصے سے۔

’’عائشہ سے......‘‘

’’لیکن وہ تو گھر میں ہے ہی نہیں۔‘‘

’’کہاں گئی......؟

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کرشفیق احمد۔

’’وہ توکب سے اپنی منزل پر چلی گئی۔‘‘

ملازموں سے تفتیش کرتے ہوئے۔

’’تم لوگوں نے اس کودیکھا۔‘‘

’’نہیں مالک!پہرا سخت تھا یہ ممکن نہیں۔‘‘

مزید غصے سے شفیق احمد سے اختر نواز۔

’’کہاں چھپایا ہے۔‘‘

ملازموں سے۔ "پورے گھر کی تلاشی لو۔"

آج بازف کا دل بہت پریشان تھا۔ وہ بھی گاڑی لے کر سڑکوں پر گھوم رہا تھا۔ گاڑی لے کر شہر سے باہر نکل آیا تھا۔

ملازموں نے گھر کے کونے کونے کی تلاشی لی اور اس کو بتایا کہ کوئی بھی نہیں گھر میں۔

شکار کا ہاتھ سے نکلنا ہمیشہ شکاری کے ہوش اڑا دیتا ہے۔ ملازموں کی بات نے بھی اختر نواز کے ہوش اڑا دیئے تھے اس نے ملازم سے بندوق پکڑ کر شفیق احمد کے سر پر دے ماری۔ عمیرا اور اس کی ماں نے منہ نیچے کر لیا۔

بندوق کا دستہ لگنے سے شفیق احمد کے سر سے خون بہنے لگا۔ وہ صوفے پر گر گیا۔

وہ اپنے ملازموں کی فوج کے ساتھ وہاں سے نکل گیا۔ عمیر نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے پیچھے چل دیا تا کہ وہ اس طرف نہ جائے جہاں وہ گئی ہیں۔

ان کے جانے کے بعد بیٹی کی خاطر شفیق احمد بڑی مشکل سے خود کو سنبھالتے ہوئے اٹھا تھا۔ وہ اس طرف گیا جہاں انہوں نے ملنے کا وعدہ کیا تھا۔

دوسری طرف عمیر، اختر نواز اور اس کے ملازم ان کو ڈھونڈ رہے تھے۔

گرتے گرتے شفیق احمد وہاں پہنچ گیا۔ دونوں اس کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھیں۔

باپ کو دیکھ کر عائشہ کی آنکھیں بہنا شروع ہو گئیں۔ جیسے ان میں سیلاب آ گیا ہو۔ بھاگ کر باپ کے گلے لگی۔ اس کے خون کو روکنے کے لیے اس نے اپنا دوپٹہ پھاڑ کر پٹی باپ کے سر پر باندھی۔ جو چوٹ شفیق احمد کے سر پر لگی تھی وہ عائشہ کے دل پر۔ اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا اور عائشہ کا دل رو رہا تھا۔ سیلاب آنکھوں سے باہر آ رہا تھا۔

ان کو وہاں چھوڑ کر آمنہ۔

''اچھا انکل! میں چلتی ہوں رات بہت ہوگئی ہے۔'' وہ وہاں سے نکل گئی۔

اسی دوران آندھی چلنا شروع ہوگئی۔ شفیق احمد سر کے زخم کی وجہ سے نیچے گر گیا۔

وہ باپ کو پکڑ کر اس کے ہاتھ پاؤں ملنا شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر میں وہ ذرا ہوش میں آ گیا۔ اسی دوران عائشہ کو اس کا ایک بندہ نظر آیا۔ اس نے باپ کا ہاتھ پکڑ کر باپ کو دیوار کی اوٹ میں چھپا لیا۔

آندھی اور تیز ہوگئی تھی۔ آندھی ہر دور میں ظلم کے وقت ضرور آتی ہے۔ پہلے لوگ آندھی کو دیکھ کر اندازہ لگا لیتے تھے آج کہیں ظلم ہوا ہے۔ لیکن آج کل سوچنے کے لیے وقت ہی نہیں تو ظلم کے بارے میں کیسے کوئی جانے گا۔

پریشان ہو کر عائشہ۔ ''اب کیا ہوگا۔ کہیں ساری محنت ضائع نہ ہو جائے۔''

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفیق احمد۔ ''ایسا کچھ نہیں ہوتا۔''

کچھ دور اُن کو مسجد نظر آئی۔ دونوں اس طرف بھاگنے لگے جیسے روشنی کی کرن ہو۔ حالانکہ شفیق احمد کی سانس اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ گرتے گرتے وہاں سے بھاگے۔ بھاگتے بھاگتے اندھیرے میں نہ دیکھنے کی وجہ سے عائشہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گر گئی۔ اس کے ماتھے پر سے چوٹ لگنے سے خون بہنے لگا لیکن وہ خود کو بھول کر باپ کو پکڑ کر بھاگے جا رہی تھی آگے جا کر پھر ٹھوکر لگی اور وہ گری تو بازو پتھر پر لگنے سے چھل گیا۔ خود کی پرواہ کیے بغیر اٹھ کر باپ کو دیکھنے لگی۔ اس کو سنبھال کر اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ بھاگنا شروع کر دیا۔

مسجد میں پہنچ کر وہ پاؤں مسجد کے اندر رکھنے ہی والی تھی تو اس کا باپ باہر رک گیا۔ باپ کا رکتا پاؤں دیکھ کر وہ بھی رک گئی۔

''کیا ہوا ابو؟''

اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر شفیق احمد۔

"بیٹی! اگر میں صبح آ گیا تو ٹھیک ہے ورنہ تمہیں جہاں قسمت لے جائے چلی جانا۔ واپس مت آنا۔ مجھے پتہ ہے میری سانسیں اب مہمان ہیں۔"

اس نے باپ کا ہاتھ زور سے پکڑ لیا لیکن وہ ہاتھ چھڑوا کر وہاں سے نکلا۔ وہ بھی باپ کے پیچھے بھاگنا شروع ہو گئی۔ ٹوٹی ہوئی سانسوں سے شفیق احمد۔

"تمہیں میری قسم جو ایک قدم بھی آگے بڑھایا۔ میں نے تمہاری خاطر یہ زہر پیا ہے واپس چلی جاؤ۔ دیکھنا! میرا رب تمہارے ساتھ بہت اچھا کرے گا۔ اس پر بھروسہ رکھو۔ میں نے ساری کشتیاں جلا دی ہیں۔"

اس نے وہاں سے بھاگنا شروع کر دیا تھا تا کہ اختر نواز کے آدمی اس کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہاں نہ آ جائیں۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ بے سروسامانی کی حالت میں تھی۔ اس کے سر پر صرف نام کا دوپٹہ تھا کیونکہ اس نے اپنے دوپٹے کو پھاڑ کر باپ کے زخموں پر باندھ دیا تھا۔ ماتھے پر خون جم گیا تھا۔ کپڑے گرد آلود تھے۔

وہ بے بس ہو کر مسجد کے ایک کونے میں اندر جا کر بیٹھ گئی تھی۔ آنکھوں میں آنسو لیے خدا کے بھروسے کسی فرشتے کے اترنے کا انتظار کر رہی تھی۔

کسی زخم یا درد کی پرواہ کیے بغیر بھاگتے بھاگتے وہ علاقے کے قریب آ کر گر گیا تھا۔ گرے ہوئے اپنے رب سے فریاد کرنے لگا کیونکہ دل میں بیٹی تھی اور اس کی عزت۔

"اے میرے رب! میری بیٹی کی عزت کی حفاظت کرنا چاہے اس کو دو وقت کی روٹی نہ دینا۔ اے میرے پاک پروردگار! میں نے اس کی عزت تیرے سپرد کی اور تو سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے۔"

یہ کہنا تھا کہ شفیق احمد کی سانسوں کی ڈوری ٹوٹ گئی اور وہ نظریات کی جنگ لڑتے لڑتے واپس چلا گیا۔

خدا نے بھی اس کے الفاظ کی ایسی قدر کی کہ وہ لفظ بہ لفظ پورے ہوئے۔

جیسے ہی آمنہ گھر پہنچی تو عمیر جلدی سے اس کو اندر لے گیا اور ان کے بارے میں پوچھا۔

خود پر کنٹرول کرتے ہوئے آمنہ۔

''میں ان کو اپنے علاقے سے باہر چھوڑ آئی ہوں کیونکہ طوفان آنے لگا تھا۔ میں بھی گھر بڑی مشکل سے پہنچی ہوں۔ طوفان بھی کہہ رہا تھا بس آج ہی ہے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔ میں بھی پریشان ہو رہا تھا۔''

تشویش سے پوچھتے ہوئے آمنہ۔

''کسی کو شک تو نہیں ہوا۔''

''نہیں۔'' اس کو تسلی دیتے ہوئے عمیر۔

اچانک بجلی زور سے کڑکنا شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی بارش بھی ہونے لگی تھی۔ دونوں باہر دیکھ کر ان کے لیے پریشان ہونے لگے۔ پریشان ہو کر اپنے ہاتھ اٹھا کر آمنہ اپنے رب سے دعا کرنے لگی تھی۔

''اے خدا! عائشہ کی عزت کی حفاظت کرنا۔ مجھے یقین ہے انکل تو بچنے والے نہیں۔''

اس کے الفاظ جیسے ہی عمیر کے کانوں میں پڑے مڑ کر اس سے۔ ''کیا مطلب؟''

''مطلب! یہ کہ انکل کی آخری سانسیں چل رہی تھیں۔''

دکھ کا اظہار کرتے ہوئے عمیر۔ ''خدا سب بہتر کرے گا۔''

بہت تیز بارش اور طوفان برپا تھا جیسے آسمان بھی انسان کی بے بسی پر رو رہا تھا۔ اس طوفان

میں شفیق احمد کی لاش پڑی بھیگ رہی تھی بے یارومددگار۔ یہاں انسانیت کی تذلیل کی انتہا تھی۔
دوسری طرف عائشہ نے رو رو کر اپنا برا حال کیا ہوا تھا۔ مسجد کے کونے میں پھٹے پرانے نام کے دوپٹے کے ساتھ پڑی ہوئی تھی لیکن زبان سے جیسے الفاظ نکل ہی نہیں رہے تھے۔ جب رو رو کر تھک جاتی تھی تو مسجد کے کمرے سے باہر آ کر دیکھنا شروع کر دیتی تھی۔ طوفان اور بارش ہو رہی ہے۔

طوفان میں شفیق احمد کی لاش کو پڑے گھنٹہ بیت گیا تھا تو وہاں سے کسی آدمی کا گزر ہوا۔ پہلے تو وہ آگے گزر گیا پھر اس کے دل میں لاش کی بے چارگی اور اپنی موت کا خیال آیا تو لوٹ کر اس کے پاس آ کر اس کو ہلایا۔ جب وہ نہیں ہلا تو بھاگ کر کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر آیا۔ وہ طوفان اور بارش میں شفیق احمد کی لاش کو اٹھا کر لے گئے اور ہوٹل میں میز پر لٹا دیا۔ اس کے اوپر کپڑا ڈال دیا۔ ایک دوسرے سے لاش کی بے بسی اور شفیق احمد کی پریشانی کی بات کرنا شروع ہو گئے تھے۔

ایک اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے۔
"نجانے کیا ہوا ہوگا۔"
دوسرا اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے۔
"سر پر زخم ہے جیسے کسی نے مارا ہو۔"
تیسرا اپنی رائے دیتے ہوئے۔
"صبح دیکھتے ہیں، کوئی اس کو ڈھونڈتے ہوئے آتا بھی ہے یا نہیں پھر فیصلہ کریں گے اس کا کیا کرنا ہے۔"
سب اسی ہوٹل کے ملازم تھے۔ وہیں بیٹھ گئے اور طوفان اور بارش کے رُکنے کا انتظار

کرنے لگے۔

سب کے ساتھ اچھا کرنے والوں کا اکثر ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔ان کو تب عزت ملتی ہے جب شاید ہڈیاں مٹی کھا چکی ہوتی ہیں۔لیکن وہ عزت ان کو امر کر دیتی ہے۔پھر ان کے قصے صدیوں تک سنائے جاتے ہیں۔

جیسے ہر باشعور انسان سقراط بننا چاہتا ہے۔حالانکہ اس نے زہر کا پیالہ پیا تھا۔سیدھے راستے پر چلنے کی وجہ سے ہی محمد بن قاسم کو پھانسی چڑھا دیا گیا تھا۔پھانسی چڑھانے والے تو مٹ گئے لیکن آج بھی ہر کوئی باشعور محمد بن قاسم بننا چاہتا ہے۔سچ ہے گیدڑ کی سو سال کی زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی بہتر ہے۔

باپ کے بارے میں سوچ کر عائشہ کا بھی برا حال ہو رہا تھا لیکن کر کچھ نہیں سکتی تھی۔اس لیے رونا شروع کر دیتی تھی۔وہ اپنے دکھ میں اس قدر ڈوبی ہوئی تھی کہ اس کو اس ویرانے اور تنہائی کا احساس بھی نہیں ہو رہا تھا۔

بعض اوقات دکھ اس قدر گہرے ہوتے ہیں کہ پتہ بھی نہیں چلتا کہ انسان کا وجود بھی ہے روح کے زخم گہرے ہی اتنے ہوتے ہیں کہ ان سے جسم مٹ جاتا ہے۔

راستے میں دو تین مرتبہ ٹھوکر کھا کر عائشہ گری تھی۔اس کے ماتھے اور بازو پر چوٹ لگی تھی۔لیکن اس کو ان زخموں سے بہنے والے خون سے اور درد سے فرق پڑ رہا تھا۔اس کو تو روح کے زخم تکلیف دے رہے تھے۔

اچانک طوفان میں گاڑی چلاتے چلاتے بازف مسجد کے قریب آ کر رک گیا کیونکہ اس کی گاڑی چل نہیں رہی تھی۔وہ بارش میں نیچے اُتر کر اس کا معائنہ کرنے لگا۔اس میں پانی وانی دیکھ کر پھر اندر بیٹھ کر اس کو سٹارٹ کیا لیکن گاڑی نہیں چلی۔دوسری مرتبہ اس نے پھر ایسا ہی کیا

لیکن ناکام رہا۔تیسری مرتبہ اس نے کوشش کی بجائے ادھر ادھر دیکھا تو وہ مسجد کے سامنے تھا۔

وہ نہ تو مذہبی تھا اور نہ ہی عبادت گزار کہ سوچے عبادت کی جائے۔نجانے کیوں وہ گاڑی میں بیٹھنے کی بجائے مسجد میں چلا گیا۔

اس نے مسجد کا دروازہ کھولا اور اندر چلا گیا تو کمرے میں اس کو روشنی نظر آئی۔پریشان ہو کر خود سے۔

''یہاں اس طوفان میں روشنی،کیا کوئی اندر ہے؟چلو!چل کر دیکھتے ہیں۔''

وہ مسجد کے کمرے میں جانے کے لیے دروازے کو ہاتھ لگانے لگا تو وہ کھلا ہوا تھا۔اس نے دروازہ کھولا تو عائشہ کونے میں بیٹھی تھی۔وہ ایک دم حیرت زدہ ہو گیا اور اپنی آنکھیں ملنے لگا پھر غور سے دیکھا۔

ماتھے پر خون بہنے کی وجہ سے جما ہوا تھا،منہ پر ہلکی ہلکی مٹی لگی ہوئی تھی۔سر پر نام کا دوپٹہ تھا جس کی وجہ سے اس کے بال ماتھے اور کندھے سے نظر آرہے تھے لیکن اس سب کے باوجود جیسے ہی اس کی عائشہ پر نظر پڑی اس کو حور کا گمان ہوا تھا۔اس نے پھر ایک قدم باہر نکالا، آنکھیں دوبارہ دونوں ہاتھوں سے ملنے لگ گیا۔دوبارہ اندر آ گیا۔

خود سے۔

''یار!لڑکی ہے،وہ تو ہے لیکن اس طوفان میں یہاں کیسے؟''

اندر جا کر عائشہ سے بازف۔

''تم کون ہو۔''

وہ ڈر کر پیچھے ہٹتے ہوئے۔

''آپ کون ہیں۔''

وضاحت دیتے ہوئے۔

''میری گاڑی خراب ہوگئی تھی اس لیے مسجد میں آیا ہوں۔''

خود کو سنبھالتے ہوئے عائشہ۔

''میرا سب کچھ ختم ہوگیا۔ اس لیے آئی ہوں۔''

اس کو اپنے رویے سے یقین دلانے کے لیے کہ وہ اس کے لیے خطرناک نہیں اس سے پوچھنے لگا۔

''میں یہاں بیٹھ جاؤں۔''

''جی ضرور......''

بیٹھتے ہوئے مزید بازف۔

''میں صبح جب طوفان اور بارش کم ہوگی چلا جاؤں گا۔''

خود کو سنبھالتے ہوئے عائشہ۔

''آپ یہاں رہ سکتے ہیں۔ میں نے تو خود یہاں پناہ لی ہے۔''

وہ کونے میں جا کر بیٹھ گیا۔ عائشہ پھر اپنے دکھ میں کھو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنا شروع ہوگیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد باہر جا کر دیکھنا شروع ہوگیا۔ یوں اندر باہر آنے جانے میں آدھی رات ہوگئی تھی۔ عائشہ کو بھی اس پر اعتماد ہوگیا تھا۔ حالانکہ وہ اپنے دکھ میں اس قدر گم تھی کہ وہ بھول چکی تھی کہ اعتماد کرنے کی ضرورت بھی ہے۔ ویسے اچھا ہی ہوتا ہے کہ انسان کو حالات کے خطرناک ہونے کا اندازہ ہی نہ ہو اور بے خیالی میں خطرہ ٹل جائے۔

ورنہ اندھیری رات، تنہائی اور ایک جوان آدمی کا اس وقت آنا دل میں سو خیالات پیدا کر

دیتا ہے۔
جب وہ رات میں آرام سے بیٹھ گیا کہ اب طوفان صبح تک نہیں ٹلنے والا تو نظر سیدھی عائشہ پر ہی گئی۔ اس کی خوبصورتی اس کو بھانے لگی۔ وہ اس کی طرف کھنچنے لگا تو اس نے دھیان اس سے ہٹا کر ادھر ادھر کر لیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ دوبارہ اس کی طرف دیکھنے لگا تو وہ آنکھیں بند کیے رو رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے نکلنے والے آنسو موتی بن کر اس کی گالوں پر بہہ رہے تھے اور اس کی خوبصورتی بازف کو اندر سے ہلا رہی تھی۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی حور اس کے سامنے بیٹھی ہو۔ وہ بھی اس کی دسترس میں ہو۔ وہ جلدی سے توجہ ہٹا کر ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر دل اس کی طرف جا رہا تھا۔ تو اس کو دیوار کے ساتھ ایک کیل نظر آیا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ زور سے مارا کہ خون نکل آیا۔ ساتھ ہی تکلیف سے اس کے منہ سے آہ کی آواز نکلی۔

جس کو سن کر عائشہ نے آنکھیں کھول کر اس کو دیکھا۔ وہ جلدی سے نیچے منہ کر کے ہاتھ کو دبانے لگا۔ وہ تھوڑی دیر اس کو دیکھتی رہی پھر آنکھیں بند کر کے رونا شروع ہو گئی۔ طوفان کی طرح اس کے آنسو بھی نہیں بند ہو رہے تھے۔ گھنٹے ڈیڑھ کے بعد جب تکلیف ختم ہوئی تو اس کا دل پھر عائشہ کی طرف اس کو متوجہ کرنے لگا۔ وہ اس کو دیکھنا شروع ہو گیا تھا۔ اس کی خوبصورتی میں اس قدر جادو تھا کہ وہ اس کے سحر میں ڈوب رہا تھا۔ اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کو ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود سے لڑنا شروع کر دیا۔

خود سے۔ ''تم کون سے نیک پاک ہو۔''

خود کو یاد دلانے لگا کہ اس کے باپ نے کیا کہا تھا۔ ''گناہ کی معافی ہے ظلم کی کوئی معافی نہیں۔''

”نہیں یہ ظلم اور میں ظالموں میں سے نہیں ہو سکتا۔“

”اور یہ سب تم خود کر رہے ہو۔“

اس مرتبہ اس نے اور زیادہ زور سے کیل پر ہاتھ مارا کہ وہ اس کے ہاتھ میں گہرا زخم کر گیا۔ اندر گھس جانے کی وجہ سے مشکل سے باہر نکلا۔

تکلیف اس قدر زیادہ تھی کہ منہ سے بے اختیار آہ کی آواز نکلی۔

اس نے فوراً ڈر کر آنکھیں کھولیں تو اس کا ہاتھ خون سے بھرا ہوا تھا کیونکہ کیل کافی موٹا تھا۔ وہ کر تو کچھ نہیں سکتی تھی لیکن اس کو دیکھ کر اس کے آنسو رک گئے۔

بازف کے چہرے پر تکلیف کے تاثرات سے اس کو لگا کہ وہ بہت تکلیف میں ہے۔ وہ چپ چاپ اس کو دیکھنا شروع ہو گئی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ دبا رہا تھا لیکن منہ نیچے کیے ہوئے تھا۔ یوں دو گھنٹے گزر گئے۔ وقت گزرنے سے تکلیف کی بھی شدت کم ہو گئی۔ انسان کی فطرت بڑی عجیب ہوتی ہے۔ جیسے ہی تکلیف ختم ہوئی نہیں وہ سب بھول گیا۔ پھر کون سی دیگیں۔ ویسے بھی آزمائش بڑے بڑوں کو ہلا دیتی ہے۔ چونکہ بازف کی زندگی کے کچھ اصول تھے جس کی وجہ سے وہ ابھی تک آزمائش کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ کر رہا تھا۔

جیسے ہی تکلیف ختم ہوئی تو وہ دوبارہ اس کو دیکھنا شروع ہو گیا۔ وہ اس کو دیکھتا ہی جا رہا تھا اس کو لگ رہا تھا اس کا دل باہر آ رہا ہے۔

اوپر سے شیطان اس کو بھڑکا رہا تھا۔

”اکیلی لڑکی ہے کسی کو نہیں پتہ۔ کہاں سے آئی اور نہ کوئی والی وارث ہے۔“

”تم پاک گھر سے ڈر رہے ہو تو اس کو لے جاؤ۔ دل کی تمنا پوری کرنے کے بعد دریا میں پھینک دینا۔ کسی کو کبھی پتہ بھی نہیں چلے گا۔“ اس نے خود کو جھٹکا اور جلدی سے ہاتھ کو اس قدر زور

سے کیل پر مارا کہ پہلے زخم پر جب وہ دوبارہ لگا تو اس بار منہ سے آہ نہیں بلکہ زور سے چیخ نکلی۔
وہ ڈر کر منہ اوپر کرتی ہے تو وہ تکلیف سے کراہ رہا تھا۔ وہ بھاگ کر اس کے قریب تھوڑے فاصلے پر آ کر بیٹھ گئی اور پوچھنے لگی۔
''آپ کو تھوڑی دیر بعد کیا ہوتا ہے کہ آپ تکلیف سے نڈھال ہو جاتے ہیں۔''
اس کو کوئی جواب دیئے بغیر ایک نظر اٹھا کر اس کو دیکھا اور دل میں سوچا۔
''کیا بتاؤں بے وقوف لڑکی۔''
وہ بول رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر بازف کے ہاتھ پر پڑی تو خون ہی خون تھا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آئی کہ وہ کیا کرے وہ صرف اس کو دیکھے جا رہی تھی۔ وہ تکلیف کی وجہ سے ہاتھ دبا رہا تھا۔ یوں ہاتھ دباتے دباتے پندرہ منٹ گزر گئے۔ اس کی تکلیف کم ہوئی تو عائشہ بھی پیچھے جا کر کونے میں بیٹھ گئی
رات تھی کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھی۔ بازف کو بھی پہلی مرتبہ اپنی بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ خود سے لڑ لڑ کر اس کا برا حال ہو گیا تھا۔
تیسری مرتبہ کے زخم نے اس کو اندر تک تکلیف پہنچائی کہ وہ اس میں ہی پوری رات رہا اور رات گزر گئی۔ عمیر اور آمنہ نے بھی رات اس کے لیے پریشان ہو کر گزاری۔ جب صبح ہونے والی تھی اور بازف کی تکلیف کم ہو گئی تھی تو عائشہ نے رات والا سوال پھر کیا۔
''آپ کو کیا ہوا تھا؟''
ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے بازف۔
''میں خود سے لڑ رہا تھا۔''
تشویش کرتے ہوئے عائشہ ایک ہی سانس میں۔

”لیکن کیوں؟ کیا آپ کی زندگی میں بھی کوئی طوفان آیا تھا۔“

”ہاں......“

تجسس سے عائشہ۔

”اگر آپ بُرا نہ مانیں تو میں پوچھ سکتی ہوں۔“

اس کے بارے میں جاننے کے لیے بازف۔

”پہلے تم بتاؤ۔تم یہاں کیسے آئی ہو۔“

اس نے بازف کو ساری کہانی سنائی۔کہانی سناتے ہوئے عائشہ کی آنکھیں پھر سے برسنے لگ گئی تھیں۔

سکون کا سانس لیتے ہوئے بازف خود سے۔

”شکر ہے میرے رب! مجھ سے ظلم نہیں ہوا۔“

تجسس سے عائشہ۔

”آپ نے کیا کہا۔“

”آپ سے کچھ نہیں...... جہاں تک میرے لڑنے کا تعلق ہے تو تمہارے حسن سے لڑ رہا تھا۔“

”مطلب؟“

”تمہارے حسن کے سحر سے بچنا مشکل ہے۔“

اطمینان کا سانس لیتے ہوئے عائشہ۔

”عام سی لڑکی ہوں۔“

”پاگل کر کے کہتی ہو عام سی لڑکی ہوں۔“

”ایک بات کہوں۔“
اس کی طرف متوجہ ہو کر عائشہ۔
”جی کہیے......“
”اختر نواز صحیح میں پاگل ہوا تھا۔تم ہو ہی ایسی۔“
پھر وہ اس کو ساری رات جو جنگ اس نے خود سے کی تھی اس کے بارے میں بتانے لگ گیا۔
وہ تو جیسے اس کے اندر کے انسان کی قائل ہو گئی تھی۔
”سوری! میری وجہ سے آپ کو اس قدر تکلیف اُٹھانی پڑی۔ویسے آپ سے ایک بات کہوں آپ میرے ساتھ کچھ برا نہیں کر سکتے تھے۔“
حیرت سے۔”کیسے۔“
”کیونکہ میں سب کشتیاں جلا کر آئی ہوں۔اللہ بندے پر اس کی بساط سے زیادہ وزن نہیں ڈالتا۔کبھی زندگی نے ساتھ دیا تو اس احسان کا بدلہ ضرور دوں گی۔“
اس کے ایمان کی پختگی دیکھ کر بازف حیران ہو گیا۔
انسان اللہ کے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے وہ انسان کے لیے ویسا ہی بن جاتا ہے۔وہ بھی اندر سے اس سے متاثر ہوا تھا۔اللہ نے بازف کے دل میں عائشہ کے لیے رحم ڈال دیا تھا وہ اس کی مدد کرنا چاہتا تھا۔
”اب تم کہاں جاؤ گی۔“
اطمینان سے عائشہ۔
”جہاں قسمت لے گئی۔“

"تم میرے ساتھ چلو۔"

چونکہ عائشہ کو اس پر یقین ہو گیا تھا کہ وہ اچھا انسان ہے۔ اس لیے وہ راضی ہو گئی۔

دونوں وہاں سے نکل پڑے۔ اس سے پہلے کہ فجر کی اذان ہوتی اور لوگ مسجد میں آتے۔

طوفان بھی تھم چکا تھا۔ اس نے آ کر گاڑی سٹارٹ کی تو وہ چل پڑی۔ حیرت سے خود

سے۔ "رات کو تو بند ہو گئی تھی اب تو سارے راستے سیدھے ہوتے جا رہے ہیں۔"

اس نے عائشہ کو گاڑی میں بٹھایا۔ اپنے غصے اور ہمدردی کے ملے جلے رویے سے۔

"یہ نہ سمجھنا تم سے کوئی محبت وغیرہ ہو گئی ہے۔ یہ سب میں ہمدردی میں کر رہا ہوں۔"

وہ حیرت سے اس کو دیکھتے ہوئے خود سے۔

"یہ سب بھلا مجھے کیوں کہہ رہا ہے میں ایسا کیوں سمجھوں گی۔"

انسان اپنا غصہ ہمیشہ نکالتا ہے۔ وہ بھی یہ ہی کر رہا تھا۔ ساری رات اس کے حسن کی وجہ سے خود سے جو لڑتا رہا تھا۔ اب خود کو تسلی دے رہا تھا کہ وہ عام سی لڑکی ہے ایسی کوئی بات نہیں۔

سارے راستے دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔ جب گھر پہنچے تو چوکیدار نے دروازہ کھولا۔

وہ گاڑی سے نیچے اُترا پھر اس سے اُترنے کو کہا۔ وہ تو دیکھ کر حیران ہو گئی تھی گھر کم اور محل زیادہ تھا۔ دل میں سوچنے لگی۔

"دولت مند لوگ بھی اچھے ہوتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے۔"

وہ اُس کو گیسٹ روم میں لے گیا۔ وہ چپ چاپ اُس کے پیچھے چلی جا رہی تھی۔ اس نے اس کو گیسٹ روم میں ٹھہرایا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اس نے اندر سے دروازہ بند کر لیا اور بستر پر لیٹ گئی۔ جیسے ہی لیٹی ساری رات یاد آ گئی۔

رات کا یاد آنا تھا تو آنکھیں برسنا شروع ہو گئی تھیں۔

وہ بستر پر لیٹا ہی تھا تو ہاتھ کی تکلیف پھر محسوس ہونے لگی۔ اس نے اُٹھ کر فرسٹ ایڈ بکس نکال کر ہاتھ پر پٹی کی اور سو گیا۔

وہ روتے روتے سو گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ ایک روح کے زخم دوسرے جسم کے زخم دونوں اس کو سلانے کے لیے کافی تھے۔

☆......☆......☆

طوفان کی وجہ سے اختر نواز رات کو تو ان کو نہیں ڈھونڈ پایا تھا لیکن صبح ہوتے ہی اپنے ملازم کو ان کے بارے میں معلوم کرنے کا حکم دیا۔

مالک کا حکم سن کر ملازم نکل گیا۔

صبح ہوتے ہی عمیر ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس ہوٹل پر پہنچ گیا جہاں شفیق احمد کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ ہوٹل کے ایک آدمی نے بتایا ان کو ایک آدمی کی لاش رات کو ملی تھی۔ وہ جا کر دیکھتا ہے تو وہ شفیق احمد تھا۔ وہ گھر واپس آ گیا۔ آمنہ جو پہلے انتظار میں کھڑی تھی اُس کو دیکھتے ہی۔ ”کچھ پتہ چلا۔“

”ہاں! انکل کی لاش ملی ہے۔“

پریشان ہو کر۔

”تو عائشہ کہاں گئی۔“

”پتہ نہیں...... میں جا رہا ہوں ان کی لاش لینے۔“

وہ گھر سے نکل گیا۔ کچھ آدمیوں کو ساتھ لے جا کر لاش لے آیا۔ پورے علاقے میں بات پھیل گئی تھی کہ رات کو شفیق احمد کو کیا ہوا اور عائشہ کہاں گئی۔

پھر جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ۔ تھوڑی دیر بعد ملازم نے واپس آ

کر ساری صورت حال سے اختر نواز کو آگاہ کیا۔

''ٹھیک ہے مجھے تھوڑی دیر کے بعد ان کے بارے میں اطلاع دیتے رہنا پھر دیکھتے ہیں کیا کرنا ہے۔''

تینوں عمیر، آمنہ اور عالیہ بیگم آپس میں مشورہ کر رہے تھے کہ آیا توصیف احمد کو بتایا جائے یا نہ، پھر سب کی رائے ہوتی ہے کہ بتایا جائے۔ عمیر نے فون کیا۔

فون سنتے ہی پریشان ہو کر توصیف احمد۔

''ابو کو کیا ہوا تھا۔''

''کچھ پتہ نہیں بس تم آجاؤ۔''

''میری عائشہ سے بات کرواؤ۔''

اس نے آمنہ کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے۔ ''کوئی بہانہ بناؤ۔''

''وہ اس حالت میں نہیں ہے کہ بات کر سکے۔''

''ٹھیک ہے تم لوگ اس کا خیال رکھو میں کل تک پہنچ جاؤں گا۔''

ساری رات جاگنے کی وجہ سے بازف تین بجے تک سو رہا تھا۔ عائشہ تکلیف کی وجہ سے بے ہوشی میں چلا رہی تھی لیکن دروازہ بند تھا کسی کو پتہ بھی نہیں چلا۔

فون کی گھنٹی بجی اس نے نیند میں فون اٹھایا۔ ارحم اس کو۔ ''جلدی سے آؤ۔''

وہ جلدی سے اٹھا تیار ہو کر نکل گیا اور عائشہ کے بارے میں بھول گیا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو پارٹی شروع تھی۔ سب اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ سارے پارٹی سے لطف اندوز ہو رہے تھے تو بازف بھی ان کے ساتھ کھویا تھا۔ یوں سارا دن گزر گیا۔ کسی کو عائشہ کا خیال بھی نہیں آیا۔ وہ بھوکی پیاسی بے ہوش کمرے میں پڑی رہی تھی۔

وہ تھک ہار کر پارٹی کے بعد وہاں پر سو گئے تھے۔ اگلے دن جب صبح دس بجے جب وہ اُٹھا تو ارحم اس سے اس کے ہاتھ کی پٹی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

تو کہانی سناتے ہوئے اس کو عائشہ کا خیال آیا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بھاگا۔

حیرت سے ارحم۔

''کہاں جا رہے ہو کچھ بتاتے جاؤ۔''

لیکن وہ بغیر سنے بھاگ رہا تھا اور گاڑی تیز چلا کر جلد از جلد گھر پہنچ گیا۔ گھر پہنچتے ہی۔

''ماما......ماما''

اُس کو دیکھ کر نفیسہ بیگم۔

''خیریت تو ہے جو چلا رہے ہو۔''

''وہ بھی دس بجے تمہاری صبح کیسے ہوئی۔''

پریشانی سے بازف۔

''ماما! کسی نے گیسٹ روم میں مہمان کو دیکھا۔''

حیرت کے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے۔

''کون مہمان؟''

اس نے ماں کو ساری کہانی سنائی۔

پریشانی کے عالم میں نفیسہ بیگم۔

''تم بھی حد کرتے ہو چاہے وہ مر گئی ہو۔''

وہ دونوں پروین کے ہمراہ گیسٹ روم کی طرف گئے اور دروازے پر دستک دی۔ لیکن وہ تو بے ہوش تھی کیسے کھولتی۔ نفیسہ بیگم نے پروین سے چابیاں لانے کو کہا وہ بھاگ کر چابیاں

لائی۔دروازہ کھولا۔نفیسہ بیگم نے اس کو ہلایا لیکن وہ بے ہوش پڑی تھی اس نے جلدی سے ڈاکٹر کو فون کیا۔

چونکہ نفیسہ بیگم بہت حساس اور ہمدرد خاتون تھی۔بازف کو ڈانٹنے لگی۔

''تم بھی حد کر دیتے ہو لاپرواہی کی۔خدا کرے اب یہ ٹھیک ہو جائے۔''

''پروین اس کے ہاتھ ملو ہو سکتا ہے اس کو ہوش آ جائے۔''

اپنی لاپرواہی اور غفلت پر ندامت محسوس کرتے ہوئے۔

''ماما! آپ ٹھیک کہتی ہیں لیکن میں بھول گیا۔کل جلدی میں تھا۔''

تھوڑی دیر میں ڈاکٹر آ گیا اس نے معائنہ کیا۔

''گھبرانے کی کوئی بات نہیں،کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔دوسرا کچھ کھایا نہیں ہوا۔بس اس کو کھانا دیں اور یہ دوائی،رات تک ٹھیک ہو جائے گی۔''

''شکریہ!ڈاکٹر صاحب۔''

''خالدہ!تم جاؤ اس کے لیے کھانے کو کچھ لاؤ۔''

پروین نے ڈاکٹر کا بکس پکڑا اور بازف ڈاکٹر کے ساتھ باہر تک گئے۔تھوڑی دیر میں خالدہ کچھ کھانے کو لے آئی۔پروین کے ساتھ مل کر عائشہ کو کھلایا۔

جاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

''ایک اس کے پاس رہو۔''

''دیکھو!اگر اس کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو فوراً دینا۔میں جا کر بازف کو دیکھتی ہوں۔''

پروین نے اُس کو کھانا کھلایا،دوائی دے کر چلی گئی اور وہ دوبارہ سو گئی۔

وہ ناشتہ کر رہا تھا اور نفیسہ بیگم اس کے پاس بیٹھی اُس سے باتیں کر رہی تھی۔

خوش ہو کر۔

''تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔''

اُس کے ہاتھ کی طرف دیکھتے ہوئے۔''یہ کیا ہوا ہے۔''

ظاہر ہے یہ بات وہ ماں کو تھوڑا ہی بتا سکتا تھا بات کو گول کرتے ہوئے۔'' کچھ نہیں بس چوٹ لگ گئی تھی۔''

دل میں۔''اس کی وجہ سے لگی ہے۔شاید! اس لیے میں اس کے بارے میں بھول بھی گیا تھا۔''

اس کے بارے میں تفصیل سے جاننے کے لیے۔

''تو پھر اس کا کیا کرنا ہے۔''

اپنے دل کی جلن نکالنے کے لیے بازف۔

''گھر کے کاموں میں لگا دیجئے گا اور اس کا کیا کریں گے۔''

اپنی فطرت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اور اُس کی خوبصورتی سے متاثر ہو کر نفیسہ بیگم۔

''حور کو نوکرانی بنا لوں۔''

''اور پھر اس کو مالکن بنانے کا ارادہ ہے۔''

پھر کچھ سوچتے ہوئے۔

''ٹھیک ہے ورنہ کہاں جائے گی۔اس دنیا میں تو درندے ہی ہیں۔ابھی تو کچھ دن آرام کر لے پھر دیکھتے ہیں۔''

پریشان حال توصیف احمد گھر پہنچا۔عمیر اُس کو سارے لوگوں سے الگ لے گیا۔اس کو ساری کہانی سنائی۔کہانی سننی تھی کہ توصیف کا خود پر کنٹرول نہ رہا۔غصے سے۔''میں اس اختر

نواز کو نہیں چھوڑوں گا۔"

اُس کو پکڑ کر بٹھاتے ہوئے۔"بیٹھو! میری بات غور سے سنو۔"

"کیا کرلو گے؟......مقابلہ کرو گے؟ تو اس میں اس کو کیا سزا ملے گی۔ اگر اس کو مارو گے تو والدین کی محنت ضائع جائے گی جوش سے نہیں ہوش سے کام لو۔"

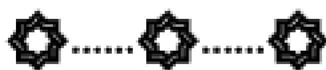
ایک سچے اور اچھے دوست کی طرح اس کو مشورہ دیتے ہوئے۔

"پہلے باپ کو دفن کرو پھر عائشہ کو ڈھونڈو۔ جو کہ مجھے پتہ ہے نہیں ملے گی۔ کیونکہ انکل نے اس کو پتہ نہیں کہاں چھپایا ہے۔اس لیے بہتر ہے اپنا مقام بناؤ پھر جب وقت پلٹے گا تو جیسے چاہے بدلہ لینا۔"

وہ اُٹھ کر جانے لگا تو اس کا ہاتھ پکڑ کر عمیر۔

"لوگوں کو عائشہ کے بارے میں یہ بتاؤ کہ وہ خالہ کے گھر ہے ورنہ لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے۔اگر زیادہ کہیں وہ کیوں نہیں آرہی تو کہو اس کو بتایا نہیں کہ اس سے یہ صدمہ برداشت نہیں ہو پائے گا۔دفن کر کے چلے جاؤ۔ پھر سب بھول جائیں گے۔"

جب توصیف نے عمیر کی بات تسلی سے سنی تو اس میں اس کو منطق نظر آیا۔ وہ اس سے متفق ہو گیا۔ باپ کو دفن کرنے کے بعد اس نے عائشہ کو ہر جگہ ڈھونڈا۔ بہانے بہانے سے رشتے داروں کے ہاں سے بھی پتہ کروایا۔ جب ہر جگہ سے مایوس ہو گیا تو واپس چلا گیا۔ پہلی مرتبہ تو خوشی سے گیا تھا خوابوں اور امنگوں کے ساتھ مگر اس مرتبہ ٹوٹے دل اور نفرت لیے جا رہا تھا۔ اس لیے جاتے ہوئے ہر چیز کو نفرت سے دیکھ رہا تھا۔



(قسط نمبر: 3)

کچھ دن میں عائشہ ٹھیک ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ نفیسہ بیگم یا کوئی اور کچھ کہتا اس نے خود سے ہی گھر کے کام کرنے شروع کر دیئے تھے۔ وہ سارا دن کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی تھی۔ نفیسہ بیگم اس کو گیسٹ روم میں ہی رہنے دیا تھا۔ اس کو ملازموں کے کمرے میں نہیں بھیجا تھا۔

صبح وہ سب سے پہلے اُٹھ کر ناشتہ بناتی تھی۔ پہلے برید اور شامیہ کے لیے ان کے پڑھنے جانے کے بعد احسان جاوید اور نفیسہ بیگم کے لیے۔ کچن کی صفائی کرتی تھی، برتن دھوتی کبھی نفیسہ بیگم کے کمرے کی صفائی اور کبھی برید اور شامیہ کے کبھی کپڑے دھوتی تھی یعنی جہاں اس کی ضرورت ہوتی وہ وہاں پہنچ جاتی تھی۔

اپنے آپ کو دوپٹے کے ساتھ ڈھانپ کر رکھتی تھی۔ دن تو کاموں میں گزر جایا کرتا تھا۔ مگر رات کو جیسے ہی بستر پر سونے کے لیے لیٹتی تھی وہ ڈراؤنی رات یاد آ جاتی تھی پھر باپ کا سوچ کر رونا شروع کر دیتی تھی اس کا کیا ہوا ہوگا۔ یوں رات رونے اور تکلیف میں گزر جاتی تھی۔ کچھ ہی دنوں میں وہ نفیسہ بیگم اور سب کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔ وہ زیادہ کسی سے بات وات نہیں کرتی تھی صرف کام سے کام رکھتی تھی۔

مطالعہ کے کمرے کی صفائی کرتے ہوئے ہمیشہ وہاں کی کتابوں کو بڑے غور سے دیکھتی رہتی تھی۔ لیکن کسی کو کچھ نہیں کہتی تھی۔ ”کہ کتاب لے کر پڑھ لوں۔“

وہ نفیسہ بیگم کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی تو وہ اس سے۔

”اپنے بارے میں کچھ بتاؤ۔“

"کیا بتاؤں۔ بتانے کو کچھ رہا ہی نہیں۔"

"تمہارا کوئی عزیز رشتے دار۔"

دل میں سوچنے لگی۔ "بھائی تو ہے اس کو کیوں پریشان کروں وہ تو پڑھ رہا ہے۔ کہیں والدین کی قربانیاں ضائع ہی نہ ہو جائیں۔" "سب کو طوفان نے ختم کر دیا۔ جو بچے ہیں میں نے ان کو بھلا دیا ہے۔"

"زیادہ کام مت کیا کرو۔"

"کام نہیں کرتی ہوں خود کو مصروف رکھتی ہوں۔"

"کچھ دیر آرام کیا کرو۔"

"آرام سے زخم تکلیف دیتے ہیں۔ اس لیے تکلیف سے بچنے کی کوشش کرتی ہوں۔"

اُس کی تکلیف کو سمجھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

"جیسے تمہاری مرضی۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے بتانا ضرور۔"

اُس کی خوبصورتی اور معصومیت سب کو اپنی طرف متوجہ کر رہی تھی اور سب اس سے متاثر تھے۔

وہ لان میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے پھولوں سے باتیں کر رہی تھی۔ شامیہ کھڑکی میں کھڑی اس کو دیکھ رہی تھی تو پھر اس کے پاس چلی گئی۔

"آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں۔"

"مجھے تو لگتے ہیں لیکن ان کو میں نہیں۔"

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ ہے کہ یہ تم جیسی پیاری سی لڑکی کے لیے ہیں۔"

"آپ بھی تو بہت خوبصورت ہیں۔"

”مگر پھول جیسی نہیں۔“

تشویش سے شامیہ۔

”اگر ہوتی تو کیا ہوتا۔“

”پھر میں یہاں نہ ہوتی۔“

اس کے بارے میں جاننے کے لیے شامیہ۔

”آپ یہاں کیسے آئیں۔ کسی سے بھی پوچھو تو کوئی بتاتا ہی نہیں۔“

”حالات لے کر آئے ہیں۔“

ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے شامیہ۔

”آپ مجھ سے دوستی کریں گی۔“

اس کو بھی وہ اچھی لگی تھی۔

”ضرور کیوں نہیں۔“

دونوں ہاتھ آگے بڑھا کر ایک دوسرے سے ملانے لگی۔

چلتے چلتے شامیہ۔

”ایک اور بات جو میرا دوست ہوتا وہ برید کا بھی۔ تو پھر آپ برید کی بھی دوست ہیں۔“

پاکستان سے جانے کے بعد توصیف میں اور زیادہ سنجیدگی آ گئی تھی۔ وہ بڑی لگن سے پڑھائی کرنے لگا اور بہت زیادہ کام کرنے لگا۔ اُس کا دوست۔

”یار! اس قدر مت محنت کرو۔ کچھ آرام بھی کر لیا کرو۔“

اپنی تکلیف کا اظہار کرتے ہوئے۔

”کیا کروں؟ میری تکلیف مجھے آرام کرنے نہیں دیتی۔ جی چاہتا ہے وقت کو پر لگ

جائیں۔"

اس کو تسلی دیتے ہوئے۔

"یوں تھک جاؤ گے۔وقت آنے پر ہار جاؤ گے۔اپنی ساری توانائیاں بدلے کے لیے سنبھال کر رکھو۔"

☆......☆......☆

وہ کمرے کی صفائی کر رہی تھی۔شامیہ ریاضی کے سوال حل کر رہی تھی۔وہ اس کو آ نہیں رہے تھے۔

دروازہ بند کر کے عائشہ۔

"would you like my services if I provide"

(کیا آپ میری خدمات لینا پسند کرو گی اگر میں مہیا کروں)

وہ حیرت سے اُسے دیکھتے ہوئے۔

why not(کیوں نہیں)

وہ اس کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس کو ساری مشق اچھے طریقے سے سمجھا دی۔ایک ایک چیز کی وضاحت کر دی۔خوشی سے اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے شامیہ۔

No doubts, its excellent way of teaching

(کوئی شک نہیں یہ پڑھانے کا اچھا طریقہ ہے)۔

Really, you are appreciating my method I make your understanding well. My services are avaliable on one condition.

(واقعی ہی تم میرے طریقے کو سہرا رہی ہو۔میں تمہاری پڑھائی کو بہتر بنادوں گی۔میری خدمت ایک شرط پر میسر ہیں۔)

حیرت سے شامیہ

what condition(کیا شرط)

I teach you and you keep it secrete.

(میں آپ کو پڑھاتی ہوں تم اس کو راز رکھو)

Done, but you have to teach both me and Breed.

(ٹھیک ہے لیکن آپ کو ہم دونوں مجھے اور برید کو پڑھانا ہوگا)

your terms and condtion are accepted

(آپ کے اصول وضوابط منظور کیے جاتے ہیں)

دونوں نے خوشی سے ہاتھ ملایا تاکہ پروگرام آگے چل سکے۔نفیسہ بیگم اور شامیہ کا اُس کے ساتھ رویہ دیکھتے ہوئے باقی نوکر بھی اس کی بہت عزت کرتے تھے۔دوسرا نفیسہ بیگم نے بھی ان پر واضح کردیا تھا کہ وہ نوکر نہیں۔وہ نوکر لگتی بھی نہیں تھی۔

نجانے کیوں بازف کو اس کے ساتھ خداواسطے کا بیر ہوگیا تھا۔اس کے دوست آئے تو اس نے عائشہ کو چائے لانے کے لیے کہا۔

اس نے چائے بنا کر پروین کے ہاتھ بھیج دی۔تو بازف۔"جا کر عائشہ کو بھیجو۔"

جا کر پروین نے اس کو آنے کے لیے کہا تو وہ ناچاہتے ہوئے بھی آ گئی۔

اس کو دیکھ کر غصے سے۔

"ان کو چائے serve کرو۔"

اس نے چائے کپ میں ڈالی اور اس کی دوست لڑکی کی طرف بڑھی تو بازف نے اس کے آگے ٹانگ کر دی۔ وہ گر گئی۔

چائے کے گرنے سے کپ بھی ٹوٹ گیا۔

غصے سے اس کو ڈانٹتے ہوئے۔

"جاہل گنوار! تم کو ذرا بھی تہذیب نہیں کہ مہمانوں کو چائے کیسے پیش کرتے ہیں۔"

وہاں سے گزرتے ہوئے شامیہ آواز سن کر رک گئی تھی۔

"جاؤ جا کر کچھ لاؤ اور اس کو صاف کرو۔"

وہ اٹھی اس کے سامنے کھڑی ہو گئی اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر۔

"آپ میں تو بڑی تہذیب ہے جو دوسروں کو اس طرح تنگ کرتے ہیں۔"

کہہ کر وہاں سے بھاگ گئی۔ اس کے جاتے ہی شامیہ۔

"بھائی! آپ نے اچھا نہیں کیا۔"

مزید کچھ کہتے کہتے شامیہ رک گئی۔

اس کے جانے کے بعد ارحم۔

"یار! تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ تم نے اس کو کیوں گرایا۔"

زور سے صوفے پر ہاتھ مارتے ہوئے۔ "پتہ نہیں کیوں مجھے اُس کو دیکھ کر غصہ آجاتا ہے۔"

پھر زور سے چلا کر۔

"پروین...... پروین......"

اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر ارحم۔ ''تم جا کر آرام کرو۔''

سب دوست چلے گئے۔

وہ کمرے میں جا کر دروازہ بند کر کے خوب رونے لگی۔ کیونکہ اس سے تذلیل برداشت نہیں ہوئی تھی۔ دراصل اس کی عادت نہیں تھی۔ ہمیشہ سب نے اُس کی عزت کی تھی۔

ٹوٹے دل کے ساتھ ہاتھ اُٹھا کر۔

''اے میرے مالک! میرے دوست! یہ ٹھیک ہے اس نے میری مدد کی ہے۔ لیکن تو جانتا ہے۔ مجھ سے ذلت برداشت نہیں ہوتی۔ اس کے ذہن سے مجھے نکال دے۔ وہ مجھے بھول جائے۔ اے میرے دوست! مجھ پر میری بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔''

اُس کو دیکھ کر بریہ۔

''اس قدر جلنے کی smell''

''بھائی نے عائشہ آپی کی insult کی ہے۔''

''But why''

''Don't Knew''

''I had an exciting news for you but Bhai made

it spoiled''

(میرے پاس تم کو بتانے کے لیے اچھی خبر تھی لیکن بھائی نے اس پر پانی پھیر دیا ہے)

اس کو مطمئن کرتے ہوئے۔

leave it and tell me news.

(چھوڑو اس کو اور مجھے خبر بتاؤ)

You know that Ayesha Api is educated and genius.

(آپ جانتے ہیں عائشہ آپی پڑھی لکھی اور ذہین ہیں)

she made math exercise as easy as pie for me.

(اس نے ریاضی کی مشق روٹی کی طرح آسان میرے لیے بنادی تھی)

حیرت زدہ ہوتے ہوئے۔

I hade always doubt aboud her. she is not leo king ordinery girl.

(مجھے ہمیشہ سے اس کے بارے میں شک تھا وہ عام نہیں لگتی)

خوشی سے بتاتے ہوئے شامیہ۔

I made her agreed to teach us:

(میں نے اس کو پڑھانے کے لیے متفق کرلیا ہے)

"Then go and call her"

منہ بناتے ہوئے۔

No w, she is upset tomorow.

آگے دن کے کام کاج سے فارغ ہوکر عائشہ شامیہ کے کمرے میں آئی۔تو شامیہ اس کے دکھ کو کم کرنے کے لیے۔

Meet my brother Bareed.

ہنستے ہوئے عائشہ۔

I Knew him, I think, let start work.

(میں جانتی ہوں میرا خیال ہے آؤ کام شروع کریں)

انہوں نے دروازہ بند کیا اور وہ دونوں کو پڑھانے لگی۔ ان کو پڑھاتے پڑھاتے آدھی رات ہوگئی پھر وہ اپنے کمرے میں جا کر سوگئی۔

اگلے دن ناشتے پر چہکتے ہوئے شامیہ۔

"ماما، بابا! آج سے ہم self study کریں گے۔ آپ ٹیوٹر کی چھٹی کروائیں۔"

چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

"احسان صاحب سنیئے! ٹیوٹر کے پڑھانے پر گریڈ نہیں آرہے اب خود پڑھنے پر کیا خاک گریڈ آئیں گے۔"

بہن کا ساتھ دیتے ہوئے برید۔

"ماما! آپ کو شکایت نہیں ملے گی۔ ہم آپ کو Two attempt میں O level complete کردیں گے۔"

منہ بناتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ "خدا کرے۔"

بیگم کا ساتھ دیتے ہوئے احسان جاوید۔

"ٹھیک ہے آپ کی ساری باتیں مان لی جاتی ہیں اگر desire result آئے تو۔"

جلدی سے شامیہ۔

"پھر آپ کی ہر بات مانی جائے گی۔"

دونوں میاں بیوی۔ "ٹھیک ہے۔"

☆......☆......☆

کسی کے جانے یا آنے سے کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔عائشہ کا معاملہ ٹھنڈا ہوا تھا تو اختر نواز نے نئی لڑکی ڈھونڈ لی تھی۔آج کل اختر نواز کی مہربانی راحت پر ہو رہی تھی۔اس کے گھر وقتاً فوقتاً تحائف بھجوائے جا رہے تھے۔

وہ ہمیشہ اتنا خوبصورت جال بنتا تھا کہ کوئی بھی اس میں پھنسے بغیر نہیں رہتا تھا۔بس عائشہ کو ہی جال پسند نہیں آیا تھا۔راحت تو اس جال میں خود جانے کو تیار تھی۔جب عمیر اور آمنہ کو اختر نواز کی نئی پسند کے بارے میں پتہ چلا۔تو وہ حیرت سے۔

''اتنی جلدی،ابھی تو کسی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا۔''

طنزیہ انداز میں عمیر۔

''یہ لوگ کفن کہاں دیکھتے ہیں۔''

''میں تو سمجھی تھی اتنا کچھ ہونے کے بعد اختر نواز انسان بن جائے گا۔ایسا اس جنم میں تو ممکن نہیں۔''

تجسس کا اظہار کرتے ہوئے آمنہ۔

''میں نئی چڑیا دیکھ کر آؤں۔''

ہنستے ہوئے عمیر۔

''تم جس چیز کو دیکھنے کا کہہ رہی ہو وہ عائشہ نہیں ہوگی۔ایسے مایوسی ہوگی۔رہنے دو۔''

منہ بناتے ہوئے آمنہ۔

''چلو!فرق تو کرنا آئے گا۔''

اگلے دن آمنہ راحت کے گھر پہنچ گئی تھی۔

اس کو دیکھ کر راحت۔

''میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

اس کو غور سے دیکھتے ہوئے آمنہ۔

''عمیر کی بیوی ہوں۔''

''آیئے بھابی، کیسے آنا ہوا۔''

''بس اختر نواز کی چڑیا دیکھنے آئی ہوں۔''

خوش ہوتے ہوئے راحت۔

''پھر تو آپ کو خوشی ہوئی ہوگی مجھ سے مل کر۔''

مزید اپنے منہ میاں مٹھو بنتے ہوئے۔

''وہ میری خوبصورتی کا دیوانہ ہے۔''

دل میں سوچتے ہوئے آمنہ۔

''کہاں عائشہ اور کہاں تم۔نہ تو کوئی حسن میں مقابلہ نہ کردار میں۔لیکن اختر نواز کے مطابق۔وہ چھوڑ دیتا ہے۔''

''انسانوں کو خوش فہمیاں بڑی ہوتی ہیں۔''

خود پر غرور کرتے ہوئے راحت۔

''مجھے نہیں چھوڑ پائے گا۔''

''ہر لڑکی اس خیال میں ماری جاتی ہے۔''

دل میں راحت سوچنے لگ گئی اس کو جلن ہو رہی ہے۔

''لیکن میں نہیں ماری جاتی آپ فکر نہ کرو۔''

اس کے گال پر پیار سے ہاتھ مارتے ہوئے آمنہ۔

''خدا کرے تمہاری امیدیں پوری ہوں۔آپ فکر نہ کریں بھابھی۔ایسا ہی ہوگا۔آپ کو پتہ ہے انہوں نے تحائف سے میرا گھر بھر دیا ہے۔میرے والدین بھی بہت خوش ہیں۔وہ ہمیں گھر بھی لے کر دے رہا ہے۔''

یہ اختر نواز کے کامیاب ہونے کی ایک اور خوبی تھی کہ وہ جذبات اور احساسات کے نکالنے کا بھی راستہ رکھتا تھا جس کی وجہ سے بددعائیں جمع ہی نہیں ہوتی تھیں۔پتہ نہیں عائشہ کہاں سے آ گئی تھی۔لیکن ان لوگوں کو عائشہ جیسی لڑکیوں کی بددعاؤں سے فرق نہیں پڑتا۔

دیکھتے ہیں ان جیسے لوگوں کو وقت کیا سکھاتا ہے۔اور نہ ہی کبھی پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کسی کے ساتھ زیادتی بھی کی ہے۔

وہ خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔لیکن پھر بھی بچ نکلتے ہیں۔خدا کرے کبھی ان جیسوں کو بھی سزا ملے۔اس طرح کہ سب کے لیے سبق بن جائیں۔

طنزیہ انداز میں آمنہ۔

''تم تو خوش قسمت ہو۔لیکن وہ بدقسمت۔''

حیرت سے راحت۔

مطلب؟

''اس کو حور نہیں ملی مگر تم مل گئی۔اپنے آپ کو خوبصورت ترین ثابت کرنے کے لیے میں بہت خوبصورت ہوں۔بس آج منہ نہیں دھویا۔''

''دھونا بھی مت ورنہ نظر لگ جائے گی۔''

اس کو منہ کی باتیں کہاں سمجھ آئی تھیں۔

''لیکن میں تو بہت خوبصورت لگنا چاہتی ہوں۔''

ہنستے ہوئے آمنہ۔

''تم خوبصورت ہی ہو پریشان مت ہو۔چلو میں چلتی ہوں۔''

اس کے جانے کے بعد راحت حیرت زدہ سی ہو کر رہ گئی تھی۔گھر جا کر آمنہ ہنستے ہوئے عمیر سے۔

''تم نے ٹھیک کہا تھا۔وہ تو سچ میں اختر نواز کے قابل ہے۔وہ تو مجھے اختر نواز کے تحائف گنوا رہی تھی۔اس کے نزدیک کردار،نظریات کیا معنی رکھتے ہیں۔''

آمنہ کے سوالوں نے عمیر کے اندر آگ لگا دی تھی۔اس کے لیے ان کا جواب دینا ضروری ہو گیا تھا وہ جھٹ سے بولا۔

''وہ بڑے لوگ تھے ان کا زندگی کو دیکھنے کا نقطہ نظر بھی مختلف تھا۔بندر کیا جانے ادرک کا مزہ۔''

ہنستے ہوئے آمنہ۔

''اب آپ نے اختر نواز کی پسند کو بندر بنا دیا ہے کچھ تو لحاظ کریں۔آخر کو آپ کا دوست ہے۔''

اپنے ملال کا اظہار کرتے ہوئے عمیر۔

''میں بھی ان جیسا ہی ہوں۔لیکن ان لوگوں کے نقطہ نظر نے مجھے بھی بدل دیا ہے میں بھی سوچنے لگا ہوں۔''

اس کے خیال سے متفق ہوتے ہوئے آمنہ۔

''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ہم تو اپنی نسلوں کو ان کے قصے سنائیں گے۔''

☆......☆......☆

سب کچھ کھو دینے کے بعد انسان میں دنیا کو ہرانے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے پھر وہ اس کے لیے بہت محنت کرتا ہے۔ یہی حال تو سیف کا تھا وہ رات دن بھول کر محنت کر رہا تھا۔ سامنے جانے کے لیے قوت پیدا کرنی تھی۔ وہ اس معاشرے میں اپنا مقام پیدا کر رہا تھا۔ جہاں کا کتا بھی آجائے تو ہم اس کو بستر پر بٹھاتے ہیں اور خود نیچے بیٹھتے ہیں۔ وہ تو پھر ڈاکٹر بن رہا تھا۔ اس لیے اس کے دل و دماغ میں یہ پختہ یقین تھا کہ ایک دن اختر نواز اُس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوگا۔ لیکن اس کے لیے صرف وقت کی ضرورت تھی باقی تو سب کچھ تو صیف کر رہا تھا۔ اسے صرف اختر نواز یاد تھا۔ وہ خود کہاں تھا اس کا اسے پتہ بھی نہیں تھا۔ یوں وقت گزر رہا تھا۔

انسان ہو یا جانور یہ اس کی فطرت ہے جو چیز اُس کو تکلیف دے وہ اس سے دور ہو جاتا ہے۔ تکلیف دراصل منفی کمک کا کام کرتی ہے جو انسان سے وہ کام چھڑوا دیتی ہے جو اس کو اذیت دے۔

اب عائشہ کوشش کرتی تھی کہ وہ بازف کے سامنے نہ جائے اگر وہ ناشتہ دے رہی ہوتی تو اس کو دور سے آتا دیکھ کر وہاں سے چلی جاتی تھی۔ اگر کبھی ایک ہی گھر میں رہنے کی وجہ سے آتے جاتے سامنا ہونے لگتا تو جلدی سے کسی دیوار یا دروازے کے پیچھے چھپ جاتی تھی۔ اگر کسی کمرے کی صفائی کر رہی ہوتی تو اس کو دیکھ کر جلدی سے چھپ جاتی تھی۔ ویسے بھی وہ زیادہ گھر میں نہیں رہتا تھا۔ کبھی پارٹی میں اور کبھی یونیورسٹی یا دوستوں کے ساتھ باہر پھرنے گیا ہوتا تھا۔ بعض اوقات نفیسہ بیگم ہی تھوڑا بہت پوچھ گچھ کر لیتی تھی احسان جاوید نے تو کبھی پوچھا ہی نہیں تھا کیونکہ نفیسہ بیگم میں مڈل کلاس ماں کے جذبات تھے۔ ویسے بھی اس کلاس میں والدین کہاں بچوں سے پوچھتے ہیں۔

یہ گھر عائشہ کے لیے جنت تھا۔ باذف کے علاوہ گھر کے ہر فرد کے دل میں وہ بس گئی تھی۔ خاص طور پر برید اور شامیہ کے دل میں ان کو ساری ساری رات پڑھاتی تھی۔ پڑھاتی کم اور زیادہ ان کے دماغوں میں گھول کر ڈالتی تھی۔ اپنی ماں کی اچھی تربیت کی وجہ سے وہ دونوں اس سے بہت پیار کرتے تھے۔

محنت رنگ ضرور لاتی ہے جب چھ ماہ بعد ان کا نتیجہ آیا تو سب حیران ہو گئے تھے۔

کھانا کھاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

''احسان صاحب! بچوں نے تو حیران ہی کر دیا ہے۔''

خوش ہوتے ہوئے احسان جاوید۔

''میں نے کہا تھا کہ بچوں پر Trust کرو۔''

اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے۔

''آپ نے ٹھیک کہا تھا۔''

خوشی سے شامیہ۔

''ماما! اب تو آپ ہمیں مان گئی ہیں۔ سچ میں تم دونوں نے حیران ہی کر دیا۔''

برید کی طرف دیکھتے ہوئے شامیہ۔

''ماما! ایک favour چاہیے۔''

''وہ کیا؟''

''آپ عائشہ آپی کو میرے کمرے میں رہنے کی اجازت دے دیں۔ وہ ہمیں بڑے اچھے طریقے سے motivate کرتی ہے یہ گریڈ بھی ہم نے ان کی motivation کی وجہ سے لیے ہیں۔''

اس کی تائید کرتے ہوئے برید۔

"ماما! شامیہ صحیح کہہ رہی ہے۔"

ہچکچاتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

"لیکن وہ سوئے گی کہاں۔"

"ماما! ویسے تو وہ اپنے کمرے میں رہے گی۔ رات کو Mattress ڈال کر سو جائے گی۔ ہمیں کسی چیز کی ضرورت ہو گی تو وہ بھی دے دیں گی۔"

اچھے لوگوں کو اچھے ہی ملتے ہیں چونکہ وہ بہت اچھے لوگ تھے اس لیے نفیسہ بیگم۔

"لیکن وہ ہماری ملازمہ نہیں۔"

اس کی تائید کرتے ہوئے احسان جاوید۔

"نہیں اچھا نہیں لگتا۔"

اصرار کرتے ہوئے شامیہ۔

"ماما! عائشہ آپی کو اعتراض نہیں تو آپ کو کیوں۔"

وہ بہت زیادہ اصرار کر رہی تھی کہ ان دونوں کو ماننا پڑا۔

دونوں کمرے میں جا کر عائشہ کا انتظار کر رہے تھے۔ تاکہ اُس کو اپنی کامیابی کی خبر سنا سکیں۔

وہ شامیہ کے کمرے میں جا رہی تھی تو بازف کو دیکھ کر چھپنے لگی۔ وہ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جو چھ ماہ سے عائشہ کو بھولا ہوا تھا پھر سے اس کو یاد آ گئی۔ اس کو عائشہ کی یہ ادا بہت اچھی لگی۔ مسکرا کر اس کو دیکھا اور چلا گیا۔ جیسے کسی کی چوری پکڑی گئی ہو تو وہ ندام ہوتا ہے ایسی ہی عائشہ کی کیفیت تھی۔ وہ بھی جلدی سے وہاں سے بھاگی۔ جیسے ہی عائشہ کمرے میں داخل ہوئی

شامیہ نے جلدی سے دروازہ بند کیا اور اس کے گلے لگ گئی۔

”آپی عائشہ! آپ کی وجہ سے ہم دونوں کا اے گریڈ آیا ہے۔ جو کبھی نہیں آیا تھا۔“

خوشی سے برید۔

”Thanks آپی۔“

اس کا ہاتھ پکڑ کر شامیہ۔

”آپی پلیز ماما کو بتانے دیں۔“

اس کی تائید کرتے ہوئے برید بھی۔

”پلیز......پلیز......آپی۔“

کچھ سوچتے ہوئے عائشہ۔

”جلد بازی اچھی نہیں ہوتی جب او۔لیول ہو جائے گا پھر۔“

دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے۔”ٹھیک ہے۔“

خوشی سے شامیہ۔”ایک اور خوشی کی خبر اب سے آپ میرے کمرے میں میرے ساتھ سوئے گی۔“

”مجھے پتہ ہے میں نے ساری باتیں سن لی تھیں۔“

اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے شامیہ۔

”میں جانتی ہوں جب آپ کمرے میں جاتی ہیں تو روتی ہیں میرے ساتھ رہیں گی تو سوچنے کا موقع نہیں ملے گا۔آپ کی تکلیف سے ہم دونوں کو تکلیف ہوتی ہے۔جی آپی! یہ ہم دونوں نے پلان بنایا تھا۔“

دونوں کو محبت سے دیکھتے ہوئے۔”شکریہ اس محبت کی کوئی قیمت نہیں۔بس ایک اور

favour چاہیے سٹڈی سے کتاب لے کر پڑھنا چاہتی ہوں۔"

"ساری سٹڈی آپ کی ہی ہے جو چاہے Book لے کر پڑھ سکتی ہیں۔" برید محبت سے۔

رات کو دونوں کو پڑھاتے پڑھاتے وہ تھک گئی تھی اور تینوں سونے لگے تو عائشہ اٹھ کر نیچے میٹرلیس پر سونے لگی تھی تو برید۔

"نہیں آپی آپ اوپر بیڈ پر سوئیں۔"

اپنے حیثیت کا اظہار کرتے ہوئے عائشہ۔

"یہ ہی میری جگہ ہے۔"

اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے شامیہ۔

"آپی! آپ کی جگہ وہ نہیں۔ آپ بیڈ پر سوئیں میرے ساتھ۔ بلکہ اس سے مجھے خوشی ہو گی۔"

اس کا ساتھ دیتے ہوئے برید۔

"آپی، آپ ہماری شجر ہیں۔"

عائشہ وہ ان کی عاجزی اور محبت بہت اچھی لگی سچ میں تربیت گھر کو بناتی ہے۔

دونوں اصرار کر کے عائشہ کو بیڈ پر سونے پر مجبور کر دیا چونکہ برید بہت تھکا ہوا تھا وہ میٹرلیس پر سو گیا۔ ان کی محبت نے عائشہ کو احساس دلایا، "کہ وہ اکیلی نہیں خدا اس پر مہربان ہو رہا ہے اور اب اس کو بہت نوازے گا۔"

سوتے ہوئے عائشہ اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے۔

"اے میرے دوست! تو کتنا اچھا ہے۔ ہم تو گمان بھی نہیں کر سکتے۔"

یوں وقت گزرتا جارہا تھا۔ وہ بازف سے چھپتی رہتی تھی اور وہ چھپ چھپ کر اس کو دیکھتا تھا۔ وہ کھانے کی میز پر بیٹھا ناشتہ کررہا تھا۔ وہ سامنے کچن میں کھڑی ناشتہ بنارہی تھی۔ جیسے ہی اس کو احساس ہوا بازف ناشتہ کررہا ہے وہ دوسری طرف ہو کر کام کرنے لگی۔

دل میں سوچنے لگا۔ ''تو یہ بات ہے تو پھر یوں ہی سہی۔''

جلدی سے۔ ''پروین...... پروین۔''

وہ وہاں نہیں تھی مجبوراً اس کو مڑ کر عائشہ نے دیکھا مسکرا کر آنکھوں کے اشارے سے۔

''اب بتاؤ۔''

غصے سے عائشہ سیدھا منہ کر کے کام کرنا شروع ہوگئی۔ وہ لان میں کھڑی شامیہ سے باتیں کررہی تھی تو وہ کھڑکی میں کھڑا اس کو دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی عائشہ نے اس کو دیکھا وہاں سے چلی گئی۔

وہ کام سے فارغ ہو کر شامیہ اور برید کو رات گئے تک پڑھاتی تھی۔ رات دن کی محنت رنگ ضرور لاتی ہے۔ برید بھی بڑا پُر امید تھا۔ دونوں نیٹ پر اپنا نتیجہ دیکھ رہے تھے۔ جیسے ہی شامیہ نے نتیجہ دیکھا۔ آؤ دیکھا نہ تاؤ سیدھی کچن میں عائشہ کے پاس بھاگ کر گئی۔ عائشہ کے گلے لگ کر خوشی سے۔

''آپی! میرا اور برید کا اے پلس گریڈ آیا ہے۔ یہ سب آپی کی وجہ سے ممکن ہو پایا ہے۔ آپ نے پڑھایا ہی بہت اچھے طریقے سے تھا۔''

اس کو پتہ نہیں تھا کہ نفیسہ بیگم سب دیکھ رہی ہیں۔ حیرت سے نفیسہ بیگم۔

''کیا تم دونوں کو عائشہ نے پڑھایا ہے۔ مجھے تو پہلے ہی شک تھا کہ یہ راتوں رات معجزہ کیسے ہوا۔ تم دونوں نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔''

پیچھے مڑ کر شامیہ۔

”ماما! میں آپ کو سب بتاتی ہوں۔“

اس نے سارا کچھ نفیسہ کو بتا دیا۔

حیران ہوتے ہوئے نفیسہ بیگم عائشہ سے۔

”تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ تم پڑھی لکھی ہو۔ ملازموں کی طرح کیوں رہی۔“

”میں قدرت کے فیصلے کا انتظار کر رہی تھی۔ دوسرا آپ نے کبھی ملازم سمجھا ہی نہیں۔“

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنے سامنے بٹھا کر۔

”کیا کیا ہوا ہے۔“

”بی ایس سی اِن کمپیوٹر سائنس۔“

چونکہ نفیسہ بیگم کم ظرف نہیں تھی۔ اس نے عائشہ سے پوچھا۔

”احسان صاحب کے آفس میں کام کرو گی؟“

اس نے بھی آگے سے اعلیٰ ظرف کا مظاہرہ کیا۔

”ایک شرط پر۔“

”وہ کیا۔“

”کہ میں ان دونوں کو اے لیول میں پڑھاؤں گی آپ مجھے وقت دیں گی۔“

اس کے جذبے کی قدر کرتے ہوئے۔

”لیکن یہ تمہاری ذمہ داری نہیں۔“

اس کی طرف دیکھتے ہوئے عائشہ۔

”لیکن میں ان کی محبت کی قرض دار ہوں۔“

"کیسی محبت۔"

"وہ جوانہوں نے اس وقت کی جب سب نے چھوڑ دیا۔"

"بڑی باضمیر ہو۔ورنہ قرض کسی کو یاد نہیں رہتا۔"

"بے لوث محبت تو نہیں بھولتی۔"

"ٹھیک ہے آج رات کو میں احسان صاحب سے بات کروں گی۔"

جب قسمت مہربان ہوتی ہے تو ہر طرف سے دروازے کھل جاتے ہیں۔ کمرے میں عائشہ اور شامیہ کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ بازف ان کو دیکھ کر رک گیا۔ کچھ دیر دیکھتا رہا۔ پھر جا کر شامیہ سے۔

"کیا بات کر رہی تھی؟"

"کچھ خاص نہیں۔آپ کو خیریت تو ہے۔"

جب اس نے دیکھا وہ باتیں کر رہے ہیں تو وہ جانے لگی تو شامیہ نے عائشہ کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

جب بازف کو کوئی بات نہیں آئی تو۔

"ویسے ماما کہاں ہیں؟"

"پارٹی میں گئی ہیں۔"

"میرے لیے چائے بنوا دو۔"

پھر عائشہ کو دیکھتے ہوئے اس کو تنگ کرنے کے لیے۔

"میرے لیے چائے بنا کر لاؤ۔"

البتہ عائشہ اس کی احسان مند تھی لیکن بہت انا پرست بھی تھی۔

"میں تمہاری ملازمہ نہیں ہوں۔"

"تو اور کیا ہو تم اس گھر میں۔"

اس کو ٹوکتے ہوئے شامیہ۔

"آپی عائشہ ملازمہ نہیں ہیں۔"

وہ بھی کہاں ملازمہ سمجھتا تھا۔بس اس کا مقصد اذیت دینا تھا۔

"یہ بحث ہم پھر کریں گے۔"

"تم عائشہ! چائے بنا کر لاؤ۔"

وہ تھوڑا آگے گئی تو شامیہ کو ہاتھ جوڑ کر۔"پلیز اس کے ہاتھ چائے بنوا کر بھیج دو۔"

"لیکن کیوں۔"

"پھر بتاؤں گا۔"

اسے اپنی بہن کی فطرت پتہ تھی اس لیے۔"میں اپنی غلطی Companciate کرنا چاہتا ہوں۔"

منہ بناتے ہوئے۔"اچھا ٹھیک ہے۔"

وہ اس کے پیچھے گئی تو عائشہ کچن میں چائے بنا رہی تھی۔کیونکہ وہ اندر سے مانتی تھی،"کہ وہ سچ کہتا ہے میں ملازمہ ہی ہوں۔"اس نے اس کو کچھ نہیں بتایا،"کہ بازف بھائی اس سے کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"میں درخواست کرتی ہوں۔آپی آپ میری خاطر چائے بنا کر بھائی کو دے دیں۔"

چونکہ شامیہ کو لگتا تھا اس طرح بازف بھائی اور عائشہ آپی کی ناراضگی ختم ہو جائے گی اور عائشہ سمجھی تھی کہ شامیہ بدمزگی کو ختم کرنا چاہتی ہے اس لیے کہہ رہی ہے۔

اپنی محبت کا عائشہ کے ساتھ اظہار کرتے ہوئے شامیہ۔

”پلیز آپ لے جایئے گا پروین کے ہاتھ مت بھیجئے گا۔“ وہ بھی شامیہ کی محبت کے آگے ہار کر چائے بنا کر بازف کے کمرے میں لے گئی۔

اس نے دروازے پر دستک دی تو بازف۔ ”آ جاؤ“

وہ جا کر چائے بستر کے ساتھ والی میز پر رکھنے لگی تو وہ اس کے ہاتھ سے چائے پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھ کو چھو لیتا ہے جو اس کو بہت برا لگا۔

غصے سے۔ ”یہ کیا بدتمیزی ہے۔“

اس کو اذیت دینے کے لیے۔

”کیا ہوا؟ میں نے کسی حور کو چھو لیا ہے۔“

انگلی کے اشارے سے۔

”حور ہوں یا نہیں۔ لیکن مجھے یہ بے ہودگی پسند نہیں۔“

غصے سے وہاں سے چلی گئی۔ اپنے کمرے میں جا کر خوب روئی۔ ایسی ہی لڑکی تھی جس کو یہ حرکتیں اچھی نہیں لگتی تھیں۔ وہ تو اصول وضوابط پر زندگی گزارنے والی تھی۔

رات کو نفیسہ بیگم عائشہ کے بارے میں احسان جاوید کو بتا رہی تھی اور توقع کر رہی تھی کہ وہ حیران ہو جائیں گے لیکن اس کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔

”آپ کو حیرت نہیں ہوئی۔“

”نہیں ہوئی۔ ہم نے اس کو پہچان لیا تھا اس لیے اس کو ملازم نہیں سمجھا۔ دوسرا ایک انسان کسی کے اندر تو جا کر نہیں دیکھ سکتا۔ صبح میں آفس جا کر اس کے سٹیٹس کے مطابق جاب دے دوں گا۔“

”لیکن اس کی ایک شرط ہے۔“

حیرت سے احسان۔

”وہ کیا؟“

”کہ وہ برید اور شامیہ کو اے لیول میں پڑھائے گی۔آپ کو آفس سے اس کو جلدی چھٹی دینی ہوگی۔“

”لیکن وہ اس کی ذمہ داری نہیں۔“

”یہ بات میں نے بھی اس کو کہی تھی لیکن وہ محبت کو قرض سمجھتی ہے جو برید اور شامیہ نے اس سے کی ہے۔“

خوش ہوتے ہوئے احسان جاوید۔

”ویل ڈن منظور ہے۔اس کو بلاؤ۔“

وہ پروین کو بلا کر اس سے عائشہ کو بلانے کو کہتی ہے۔ پروین عائشہ کو بلا کر لائی۔

شفقت بھرے انداز سے احسان جاوید۔

”بیٹھو! بیٹی۔“

وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”کل سے تم آفس جوائن کر لو۔“

ان کی احسان مند ہوتے ہوئے۔

”لیکن سر میرے پاس ڈگری نہیں ہے اور وہاں میں جانا نہیں چاہتی۔“

”اس کی ضرورت نہیں آفس بھی تمہارا ہے۔ ویسے بھی تمہارے کام سے تمہاری competetancy proved ہے۔ جو ہم اتنے سال ٹیوٹر رکھوا کر نہیں کر سکے تم نے

آسانی سے کر دیا ویری گڈ۔"

اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے احسان جاوید۔

"انکل کہو۔سر نہیں۔"

اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہنے لگے۔

"تھینکس انکل۔"

پیار سے نفیسہ بیگم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔یوں عائشہ کی جیت بلکہ یوں کہیے کہ شفیق احمد کی جیت کی پہلی منزل شروع ہو گئی۔

ہیرا چھپانے سے نہیں چھپتا۔



اب وہ آفس جانے لگی تھی۔اس لیے صبح ناشتہ میں وہ بازف کو کچن میں نظر نہیں آتی تھی کیونکہ اس کی صبح دو بجے ہوتی تھی اور وہ دو بجے ناشتہ کرتا تھا۔اور وہ نو بجے آفس جاتی تھی۔ پانچ بجے آ کر بریدا اور شامیہ کو پڑھانا شروع کر دیتی تھی۔گھر کا کام کاج کرتے بھی نہیں نظر آتی تھی۔وہ پوچھنا چاہتا تھا لیکن پوچھ نہ پایا۔

وہ دونوں کو آفس کے سارے لوگوں کی کہانیاں سناتی تھی۔پھر جب جا کر اپنے بستر پر لیٹتی تھی تو اس کو اپنے والدین اور بھائی بڑی شدت سے یاد آ جاتے تھے۔وہ سوچتی،" کیوں نہ بھائی کو فون کروں پھر خود سے ہی جہاں اتنی دیر صبر کیا ہے۔تھوڑی دیر اور کر لو۔جب کسی مقام پر پہنچ جاؤ گی تو کر لینا اتنی دیر میں وہ بھی اپنا مقام بنا لے گا۔پھر وہ بھی میری وجہ سے پریشان نہیں ہوگا۔ویسے بھی یہ گھر جنت ہے۔"

احسان جاوید چاہتا تھا،" کہ اب بازف بھی آفس جائے" اس لیے آہستہ آہستہ اس کو

آفس لے گیا۔ پہلے دن ہی جا کر اس نے سارے سٹاف کو حاضر ہونے کے لیے بلایا۔ سب اس کے پاس گئے سوائے عائشہ کے۔

سب نے اپنے اپنے کام کی نوعیت بتائی۔ تو وہ حیرت سے۔ ''مسٹر کامران ہمارے آفس میں اکاؤنٹنٹ کوئی نہیں کام کیسے چل رہا ہے۔''

''سر ہیں مس عائشہ۔''

''تو پھر وہ کیوں نہیں آئی۔''

''سر وہ بہت To the point رہتی ہیں۔ ویسے بھی بڑے سر کی خاص ہیں۔''

دل میں سوچتے ہوئے۔ ''یہ عائشہ نامی ہوتی ہی بڑی egoist ہیں۔ اوپر سے بابا کی خاص۔ کون میڈم ہو گی؟''

دلچسپی لیتے ہوئے عمران

''آپ نے کچھ کہا؟''

''نہیں تم جاؤ۔''

خود سے۔ ''چھوڑو زیادہ interest لینے کی ضرورت نہیں۔'' آفس میں payment کا کوئی مسئلہ ہوا تو بازف نے کامران کو عائشہ کو بلانے کے لیے بھیجا۔ وہ جا کر۔

''میڈم! آپ کو بازف سر نے بلایا ہے۔''

''لیکن کیوں؟''

''وہ payment کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔''

وہ چونکہ بازف کا سامنا کرنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے۔ ''آپ فائل رکھ جاؤ۔ میں دیکھ

لوں گی۔"

وہ جا کر بازف کو سب بتا دیتا ہے سن کر بازف کو بہت غصہ آیا کہ اس کے حکم سے انکار کیا گیا لیکن خاموش رہا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ۔"

خود سے۔"انتہائی بدتمیز اور (انا پرست egoist) ہے پتہ نہیں خود کو کیا سمجھتی ہے۔ دیکھ لوں گا۔موقع ملنے دو)"

کچھ دن بعد سب کی میٹنگ ہوئی۔سب وہاں موجود تھے۔ظاہر تھا اس کو بھی آنا تھا۔اس کو وہاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔سکارف پہنے تھی لیکن اس کے باوجود حور ہی لگ رہی تھی۔وہ بازف کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔لیکن وہ اس کو دیکھے جا رہا تھا۔سب نے اس کے کام کی تعریف کی اس نے کچھ منصوبے بتائے جن کو احسان جاوید سمیت سب نے پسند کیا۔لیکن وہ بت بنا اس کو دیکھے جا رہا تھا۔

جب مہینہ ختم ہوا تو سب کو تنخواہ دی گئی تو عائشہ کو تنخواہ احسان جاوید نے خود اپنے آفس میں بلا کر دی۔

"یہ رہی بیٹا تمہاری Salary۔دوسرا تم نے بہت اچھا کام کیا ہے۔"

اظہار تشکر کرتے ہوئے عائشہ۔

"شکریہ انکل! آپ نے مجھے موقع دیا۔"

"ہیرے کو جتنا بھی چھپاؤ نہیں چھپتا۔لیکن اس کے لیے صرف جوہری کی نظر ہونا ضروری ہے۔"

آج وہ بہت خوش تھی۔ وہ گھر جا رہی تھی اس کو لگا سفر لمبا ہو گیا ہے۔ ڈرائیور

سے۔ ”گاڑی جلدی چلاؤ۔“

”میڈم! میں تو ٹھیک چلا رہا ہوں۔“

”اچھا ٹھیک ہے۔“

خود سے شاید۔ ”میں ہی پاگل ہوگئی ہوں۔“

گھر پہنچ کر وہ سیدھی شامیہ کے کمرے میں گئی۔ شامیہ کو گلے لگایا۔ اس کو خوشی سے خوب گھمایا۔ تنخواہ کا لفافہ اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے۔

”یہ رہی میری پہلی Salary۔ آج میں آپ دونوں کو باہر کھانا کھلانے لے کر جاؤں گی۔“

خوشی سے برید۔

”کیوں نہیں ضرور جائیں گے۔“

پھر تینوں نفیسہ بیگم کے کمرے میں گئے۔ خوش ہو کر۔

”آنٹی! میں آپ سب کو باہر کھانے پر لے کر جانا چاہتی ہوں۔“

خوش ہو کر اس کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے۔

”شکریہ! بیٹا یہ تم بچوں کی خوشی ہے تم تینوں جاؤ۔ میں اور تمہارے انکل پھر کبھی جائیں گے۔“

”لیکن مجھے خوشی ہوتی اگر آپ بھی جاتی تو۔“

پیار سے۔ ”ایک ہی بات ہے پھر کبھی سہی۔ بہت موقعے آئیں گے۔“

بریدا اور شامیہ۔ ”ماما ٹھیک کہہ رہی ہیں آپی۔“

تینوں کھانا کھانے چلے گئے۔ تو اچانک بازف بھی اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں آ گیا۔

وہ تینوں اُن کے سامنے والی میز پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔

بازف اور عائشہ کا منہ آمنے سامنے تھا۔ وہ اس کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی نظروں کو محسوس کر رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد۔

"سیٹ swap کر سکتے ہیں۔"

"why not"

وہ برید کی سیٹ پر اور وہ اس کی سیٹ پر آ گیا۔ خود سے بازف۔

"انا تو کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔"

کافی دیر سے ارحم اس کو دیکھ رہا تھا۔ اس کو تنگ کرنے کے لیے۔ "وہ تم کو لفٹ نہیں کروائے گی۔"

پھر یاد کرتے ہوئے۔

"یہ تو وہی عائشہ ہی ہے نا۔"

منہ بناتے ہوئے۔ "جی ہاں۔"

شک کرنے کے انداز میں۔ "خیریت تو ہے؟"

اس کو دیکھتے ہوئے بازف۔

"کچھ خاص نہیں ویسے ہی۔"

اس کے قریب ہو کر ارحم۔

"دل کو لگ گئی ہے۔"

نظریں اس سے ہٹ نہیں رہی لیکن غصے سے۔

"رہتی نہیں کہیں حور۔"

کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے۔

”وہ تو پھر وہ ہے تمہیں بھی پتہ ہے۔“

ہمیشہ آپ کے دل کی چنگاری کو ہوا دوسرے دیتے ہیں۔ پھر وہ آگ بن کر بھڑکتی ہے

بازف کے دل کی چنگاری کو ہوا ارحم دے رہا تھا۔

گھر جا کر بازف نے دیکھا کہ شامیہ اور بریدا اپنے کمرے میں سو رہے تھے۔احسان اور نفیسہ پارٹی میں گئے ہوئے تھے۔مگر عائشہ اپنے کمرے میں بیٹھ کر کتاب پڑھ رہی تھی۔اس نے دروازے پر دستک دی تو لاپروائی سے عائشہ۔

”آجاؤ۔“

وہ اندر آگیا۔اس کو دیکھ کر اس نے کتاب رکھ دی اور بستر سے نیچے اُتر کر اس کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔

”خیریت تو ہے۔“

اس کو دیکھتے ہوئے۔

”آج تم بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ بلکہ تم ہمیشہ سے ہی خوبصورت لگتی ہو۔“

غصے سے۔”کہہ چکے۔اب جاؤ۔“

اس کی کلاس میں ہاتھ پکڑنا کہاں برا سمجھا جاتا تھا۔اس لیے اس کا ہاتھ پکڑ کر کچھ کہنے لگا۔

تو غصے سے عائشہ۔”چھوڑو میرا ہاتھ۔“

”اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔میں نے کون سا گناہ کیا ہے۔“

”میرے نزدیک یہ گناہ ہی ہے۔زندگی کے کچھ اصول ہوتے ہیں جن سے آپ کا کردار خوبصورت لگتا ہے۔ان میں سے ایک اصول مرد اور عورت کے درمیان فاصلہ ہے۔“

اس نے زور سے بازف سے ہاتھ چھڑوانے کی کوشش کی۔لیکن اس نے اس قدر زور سے پکڑا ہوا تھا وہ چھڑوا نہ سکی۔اس کو دیکھتے ہوئے۔

''حور! میں کچھ غلط کرنے نہیں آیا اگر ایسا کرنا ہوتا تو وہ رات کافی تھی۔یہ ہاتھ تو محبت میں پکڑا ہے۔''

ہاتھ چھڑوانے کی وہ مسلسل کوشش کر رہی تھی۔چونکہ ہاتھ مرد نے پکڑا تھا یہ ممکن نہ تھا۔ساتھ ساتھ وہ بولی جا رہی تھی۔

''مجھے یہ فضول قسم کی محبت پسند نہیں۔''

اس کے ہاتھ پر زور سے دانت کاٹ کر شامیہ کے کمرے میں بھاگ گئی۔شامیہ سوئی ہوئی تھی۔اس لیے وہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر،جب وہ چلا گیا واپس آ کر دروازہ بند کر کے سوگئی۔اگلے دن شام کے وقت شامیہ کے کمرے میں بیٹھ کر دونوں کو پڑھا رہی تھی۔

آفس میں دونوں ایک دوسرے کے ساتھ صرف کام کی بات کرتے تھے۔بازف کو لگتا تھا کہیں یہاں کوئی بات نہ ہو جائے۔وہ شامیہ کے کمرے میں ان کو پڑھا رہی تھی کیونکہ ان کا اے لیول کا آخری پیپر تھا۔وہ آ کر ان کے ساتھ بیٹھ گیا اور اس کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا تھا۔وہ اس کی نظریں محسوس کر رہی تھی۔لیکن ان کو پڑھانا ضروری تھا اس لیے برداشت کر رہی تھی۔جب اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔شامیہ سے کچھ دیر کا کہہ کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔پانچ منٹ کے بعد وہ بھی اس کے کمرے میں آ گیا اس کے پیچھے۔اس کے کمرے میں آ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔وہ جلدی سے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔وہ اس کے قریب ہو گیا۔

''کیوں مجھ سے بھاگتی ہو جبکہ تم جانتی ہو میں ایسا ویسا انسان نہیں۔''

''مجھ سے دور ہو کر کھڑے ہو۔''

''مگر کیوں۔''

''بس میں نے کہا نا۔''

اس کو پیار سے دیکھتے ہوئے۔

''حور سے دور کیسے ہو سکتا ہوں۔''

''ڈائیلاگ بند کرو اور پیچھے جا کر کھڑے ہو جاؤ۔''

اس کے دیوار کے ساتھ سمیٹ کر کھڑے ہوئے اور اس کے چہرے پر خوف کے تاثرات دیکھ کر پیچھے ہو گیا۔

اطمینان کا سانس لیتے ہوئے عائشہ۔

''اپنے code of life بنائیں تا کہ آپ کا character نکھر جائے۔'' وہ اس کی بات سنی ان سنی کر کے چلا گیا۔ پھر اس کے چہرے کے خوف کے تاثرات کی وجہ سے۔

اب ان کو عائشہ پر مکمل اعتماد ہو چکا تھا۔ بلکہ وہ ان کے خاندان کا حصہ بن گئی تھی۔ عائشہ کو بھی جیسے ہی مقام ملا وہ اپنے بھائی کے بارے میں سوچنے لگی۔ فیس بک پر اس کی آئی ڈی کھول کر رات کو اس کو دیکھ کر سوتی تھی لیکن ابھی بات کرنے کی اس میں ہمت نہیں ہو رہی تھی۔

احسان جاوید کو دل کا مرض لاحق تھا۔ اسی وجہ سے اس نے باذف کو بزنس میں لگایا تھا تا کہ اس کو بزنس کی سمجھ بوجھ ہو سکے۔ دونوں میاں بیوی بچوں کو بتائے بغیر امریکہ جا کر علاج کروانا چاہتے تھے۔

''آپ نے جانے کے لیے کب کی ٹکٹ کروائی ہے۔'' نفیسہ بیگم ہاتھوں پر لوشن لگاتے ہوئے۔

''دو دن بعد کی۔''

''میں آپ کے ساتھ ہی جاؤں گی۔''

اس کو محبت سے دیکھتے ہوئے احسان جاوید۔

''پہلے تو میں تمہیں زبردستی لے کر جاتا تھا۔مگر اس بار خود سے جانے کو تیار ہو۔''

اس کو دیکھتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں آپ ہی میرا سب کچھ ہیں آپ کی زندگی میرے لیے سب کچھ ہے۔''

طنزیہ انداز میں۔''بیگم صاحبہ! آپ کا گھر۔''

اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے......

''اب اس کی فکر نہیں عائشہ ہے نا سب کچھ سنبھال لے گی۔آپ نے دیکھا نہیں کیسے شامیہ اور برید کو او لیول اور اے لیول اے پلس گریڈ سے کروادیا ہے۔''

ہنستے ہوئے۔''یعنی آپ نے گھر اس کے حوالے کر دیا۔''

پرسکون انداز میں۔

''دل کی گہرائیوں سے بس خدا اس کو منظور کرلے۔کیونکہ مجھے یقین ہے وہ اچھا ہی کرے گا۔''

''ہفتے کی فلائٹ ہے۔''

''یعنی کل کی۔آپ بھی حد کرتے ہیں۔تو میں پیکنگ کر لیتی ہوں۔''

وہ اٹھ کر پیکنگ کرنا شروع ہو گئی تھی اور احسان جاوید بستر پر لیٹ گیا۔

پیکنگ کے دوران۔''آپ نے appointment لے لی ہے نا۔''

''جی جناب......امریکہ کا بہت بڑا ہاٹ سرجن ڈاکٹر توصیف احمد۔وہی جس کا ارمان

بھائی نے ذکر کیا تھا۔ اسی ہی سے...... ارمان اس کی بڑی تعریف کر رہا تھا۔ چلو دیکھ بھی لیں گے۔"

پہلے وہ جاتے تھے تو بچوں کو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔ مگر عائشہ کے آنے کے بعد سب ایک دوسرے سے ملنے لگے تھے۔ اور ایک دوسرے کی خبر رکھنے لگے تھے۔ جب وہ جانے لگے تو عائشہ سمیت سب نے ان کو خدا حافظ کیا۔

جاتے ہوئے نفیسہ بیگم عائشہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار سے۔

"بیٹی یہ سب تمہارے حوالے ہیں۔ بہن بھائیوں کی طرح خیال رکھنا۔"

ماں کی بات کاٹ کر فٹ سے بازف۔

"ماما! آپ بھی حد کرتی ہیں۔ اتنی خوبصورت حور میری بہن نہیں۔ ہاں برید اور عائشہ کی ہے۔" آنکھوں کے اشارے سے عائشہ کو۔ "کیا سمجھی؟"

وہ اس کا کوئی جواب دیئے بغیر نیچے آنکھیں کر کے بات کرنے لگی جیسے اس کو کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔

ہنستے ہوئے نفیسہ بیگم بازف کی بات کو ٹالتے ہوئے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ مذاق کرتا رہتا ہے ہر خوبصورت لڑکی کو دیکھ کر۔

"عائشہ! تم بازف کی بہن مت بننا۔ لیکن اس کے باہر اندر آنے کا خیال رکھنا۔"

ماں کی بات کی تائید کرتے ہوئے۔

"ماما! آپ فکر نہ کریں کہیں جانے سے پہلے بتا کر جاؤں گا۔"

پھر وہ سب سے گلے مل کر رخصت ہو گئے۔

گاڑی میں بیٹھ کر احسان جاوید۔

’’لگتا ہے بازف عائشہ میں interest لے رہا ہے۔‘‘

خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

’’اگر ایسا ہو تو اچھی بات ہے مجھے عائشہ پسند ہے۔ میں اور آپ اس کا ماضی بھی جانتے ہیں پڑھے لکھے بااصول لوگ ہیں۔ اس کا کردار ہمارے سامنے ہے۔‘‘

مرد چونکہ حقیقت پسند ہوتے ہیں اور عورت جذباتی پھر ماں تو بہت جذباتی۔

اس کو احساس دلاتے ہوئے احسان جاوید۔

’’کوئی اُس سے بھی جا کر پوچھے وہ کیا چاہتی ہے۔‘‘

’’یہ ہی تو رکاوٹ ہے۔ ورنہ میں نے تو انجام بھی نکال دیا ہے۔‘‘

بیگم کو دلاسہ دیتے ہوئے۔

’’فکر نہ کرو۔ آ کر انجام بھی دیکھ لیں گے۔‘‘

☆......☆......☆

وہ کمرے میں لیٹا ہوا تھا تو ارحم آ گیا تھا کیونکہ وہ اس خاندان سے بہت بے تکلف تھا اس لیے سیدھا کمرے میں آ گیا تھا۔

’’تم صبح صبح خیریت تو ہے۔‘‘

جناب! دو بج گئے ہیں۔

اٹھتے ہوئے بازف۔ ’’اچھا وقت کا پتہ ہی نہیں چلا۔‘‘

’’ٹھیک ہے آج رات کو پارٹی ہے۔‘‘

’’دل نہیں چاہ رہا۔‘‘

اس کے بازو کی کلائی سے نبض کا معائنہ کرتے ہوئے۔

"سب خیریت تو ہے تم پارٹی کو منع کر رہے ہو۔"

اس کو غور سے دیکھتے ہوئے۔

"دل تو نہیں آ گیا۔"

نظریں چراتے ہوئے باذف۔

"ایسی کوئی بات نہیں۔"

ہنستے ہوئے ارحم۔

"ایسی بات ہی ہے۔وہی one and only عائشہ ہو گی اور کوئی نہیں۔"

منہ دوسری طرف کرتے ہوئے۔

"تمہارا دماغ خراب ہے۔"

اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے۔

"ایسی کوئی بات نہیں تو پھر بھی میرے مشورے پر عمل ضرور کرنا۔تمہاری دال نہیں گلنے والی۔"

مطلب؟"

"شامیہ اور برید سے خدمات حاصل کرو۔ورنہ وہ قریب پھٹکنے بھی نہیں دے گی۔"

اس کے جانے کے بعد باذف خود سے۔"ویسے ارحم کا مشورہ ٹھیک ہے۔اس پر آج ہی عمل کیا جائے گا۔"

وہ شامیہ کے کمرے میں گیا۔وہاں پر اس کو برید اور شامیہ مل گئے۔عائشہ اپنے کاموں میں کچن میں مصروف تھی۔وہ ان کو اپنے کمرے میں لے گیا۔جوان دونوں کے لیے حیران کن بات تھی۔حالانکہ اس سے پہلے کبھی اس کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔دونوں اس کے سامنے بستر

پر بیٹھ گئے۔

دونوں کو غور سے دیکھتے ہوئے بازف۔

"عائشہ کیسی لگتی ہے؟"

حیرت سے برید۔"آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

طنزیہ انداز میں۔

"حساب کا سوال ہے اس لیے۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"اچھی بلکہ بہت اچھی۔"

فٹ سے شامیہ۔

"لیکن آپ اسکی insult نہیں کریں گے۔"

اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے۔

"آپی عائشہ کی insult ہم برداشت نہیں کریں گے۔"

حزن وملال کے ساتھ۔

"اگر وہ تمہاری بھابی بن جائے......تو......"

فٹ سے دونوں۔

"مزہ آجائے گا۔"

"تو پھر تم دونوں کو میری مدد کرنی ہوگی۔"

"یعنی کہ......"

"یعنی کہ اس کے قریب ہونے کے لیے space دینی ہوگی۔"

دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ایک دوسرے کے قریب ہو کر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔برید......

''ہمیں منظور ہے لیکن عائشہ آپی کے ساتھ کچھ برا برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

منہ بناتے ہوئے بازف۔

''یعنی بھائی سے زیادہ اس کی فکر ہے۔''

غصے سے بریداور شامیہ اٹھ کر جانے لگے تھے تو بازف نے برید کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''مجھے منظور ہے اس کے ساتھ برا نہیں ہوگا۔''

رات کو کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے تھے بازف باپ کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ایک طرف برید دوسری طرف شامیہ اس کو بازف کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھا دیا گیا۔بازف کا دھیان کھانے کی طرف کم اور عائشہ کی طرف زیادہ تھا۔آنکھیں تو عائشہ پر جمی تھیں۔اس کی آنکھوں کی ریز عائشہ اندر تک محسوس کر رہی تھی۔لیکن بول نہیں سکتی تھی۔عائشہ نے بریداور شامیہ کو کھانا نکال کر دیا لیکن بازف کو نہیں۔شامیہ کو بازف آنکھوں کے اشارے سے۔''اس کو کھانا دینے کو کہو۔''

''آپی!بازف بھائی کو قورمہ ڈال کر دیں۔بڑے مزے کا ہے۔''

وہ دل ناشائستہ قورمے کا برتن آگے کر کے سالن والے چمچ سے ڈالنے لگی تھی۔اس نے ایک چمچ ڈالا۔دوسرا ڈالنے لگی تھی تو اس نے جہاں سے عائشہ نے چمچ پکڑا تھا۔اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کسی کو شک بھی نہیں ہوا۔

''نہیں......نہیں رہنے دو اتنا کافی ہے۔''

عائشہ کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا۔

دل میں عائشہ کے غصے بہت تھا کہ، ''بھلا ہاتھ پکڑنے کی کیا ضرورت ہے منہ سے بول دیتے۔'' مگر زبان سے طنزیہ انداز میں۔

''جی جناب! ٹھیک ہے۔''

کھانا کھا کر برید اور شامیہ چلے گئے۔ وہ اٹھ کر جانے لگا تو وہ انگلی کے اشارے سے۔

''منہ سے بولا کرو مجھے یہ ہاتھ والی چالا کی پسند نہیں۔''

اس کو برابر کا جواب دیتے ہوئے۔

''ہاتھ پکڑنے سے تو اپنائیت کا احساس ہوتا ہے۔''

''لیکن میرے code of life میں یہ نہیں۔ اور میں code of life پر چلتی ہوں۔''

وہ غصے سے چلی گئی تھی اس کے جاتے ہی وہ پروین کو آواز لے کر برتن اٹھانے کو کہا۔

جتنا بازف عائشہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ اتنا ہی عائشہ اس پر غصہ کرتی تھی۔ لیکن یہ بات اس کو سمجھ نہیں آئی۔ اس کو لگا، ''کہ یہ اس کے برے رویئے کی وجہ سے وہ اس سے دور بھاگتی ہے۔'' وہ تو اس کے اصول وقواعد کی الف بے بھی نہیں جانتا تھا کیونکہ کبھی اس نے وہ اصول قواعد اپنی کلاس میں دیکھے ہی نہیں تھے۔ لڑکیاں اور لڑکے ایک دوسرے سے بے حد بے تکلف تھے کہ دیکھنے والے کو میاں بیوی کا گمان ہوتا تھا۔ عائشہ کی باتیں اس کے سر کے اوپر سے ہی گزر جاتی تھیں۔ ویسے بھی وہ ان میں دلچسپی ہی نہیں لیتا تھا۔ چونکہ اب شامیہ بھی یونیورسٹی جا رہی تھی۔ عائشہ اپنے اصول وقواعد اس کو بھی سکھا رہی تھی۔ اس کو اس کی حد بتاتی تھی، ''کہ کہاں پر اس نے خود اپنا اور کہاں تک دوسرے کو آنے دینا ہے۔'' عائشہ سے شامیہ بہت پیار کرتی تھی۔ دوسری وہ اس کی اور برید کی محسن تھی اس لیے وہ دونوں اُس کی ایک ایک

بات پر دل سے عمل کرتے تھے اور اس کی ہر بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ شامیہ کی ویسے تو یونیورسٹی میں کوئی خاص دوست نہیں تھی جو تھی وہ بھی کلاس تک وہ اور برید ہر بات آکر عائشہ کو بتاتی تھی پھر وہ جوان سے کہتی تھی وہ اس پر عمل کرتے تھے۔

اگر کوئی ہم جماعت کسی بات کے لیے اصرار کرتا تھا ''تو یہ کہہ کر صلح کر دیتی تھی کہ آپی نے اجازت نہیں دی۔''

سب دوست سیر کے لیے پروگرام بنا رہے تھے تو شامیہ کو بھی جانے کے لیے اصرار کر رہے تھے تو وہ فٹ سے۔

''آپی اجازت نہیں دیں گی۔''

منہ بناتے ہوئے آمنہ۔

''آج کل parents سے کوئی اجازت نہیں لیتا اور یہ آپی کی اجازت کی بات کر رہی ہے۔''

دوسری اس کا مذاق اڑتے ہوئے۔

''کیا کھانا بھی آپی کی پسند سے کھاتی ہو۔''

فخر سے شامیہ۔ ''جی ان کی مرضی سے اور ان کی پسند سے۔''

اس کو تنگ کرنے کے لیے آمنہ۔

''یہ ماما بوائے تو سنا تھا۔ یہ آپی بوائے کہاں سے آئی ہے۔''

دوسری دوست۔ ''چلو یار اس کو چھوڑو اس کے حال پر، ہم چلتے ہیں کیونکہ اس کی آپی نہیں ماننے والی۔''

اتنے میں برید بھی آگیا۔ طنزیہ انداز میں آصفہ۔

”تم تو آپی سے پوچھ کر یہاں آئے ہو۔“

حیرت سے برید۔”مطلب؟“

”شامیہ کو Trip پر جانے کو کہا ہے تو کہتی ہے۔آپی اجازت نہیں دیں گی۔“

اطمینان سے برید۔

”تو ٹھیک ہے۔آپی نہیں اجازت دیتی تو نہ جائے۔“

طنزیہ انداز میں دوسری لڑکی۔

”لو کر لو تصدیق ان میاں سے پتہ نہیں کس زمانے کی باتیں کرتے ہیں یہ لوگ۔“

وہ جارہی تھی تو بازف اس کو ہاتھ سے پکڑ کر زبردستی اپنے کمرے کی دیوار کے ساتھ کھڑا کر کے۔”تم محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتی۔“

”چھوڑو میرا ہاتھ۔“

”میری بے وقوف حور۔ہاتھ پکڑتا ہوں تو دل دھڑکتا ہے۔“

چڑتے ہوئے عائشہ۔

”تم میں زندگی کے اصول ہیں بھی یا نہیں۔“

فخر سے بازف۔”سب ہیں دیکھا نہیں دروازے پر Knock کر کے آتا ہوں۔ شراب نہیں پیتا۔کبھی کسی کے ساتھ زبردستی نہیں کی۔“

اس کو پیار سے دیکھتے ہوئے۔

”میرے کردار کو تو تم اچھے طریقے سے جانتی ہو۔زبردستی تو تمہارے ساتھ بھی نہیں کی حالانکہ تم اس وقت مجھ سے خود کو بچا بھی نہیں سکتی تھی اور کیا چاہتی ہو۔“

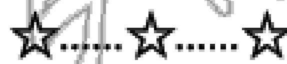
ہاتھ چھڑواتے ہوئے۔”code of life“

"کیسے code of life"

وضاحت دیتے ہوئے۔

"زندگی گزارنے کے اصول جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بتائے ہیں۔ عورت کی حد اور مرد کی حد۔ یہ نہیں کہ کوئی بھی مرد آپ کا ہاتھ پکڑ لے۔ ہرگز نہیں اپنی عزت کو بچا کر رکھنا ہے ان سے زندگی میں Harmony اہم آہنگی پیدا ہوتی ہے ان اصولوں سے کردار خوبصورت بنتا ہے اگرچہ ان پر عمل کرنا مشکل ہے۔ Harmony کائنات کی ہر چیز میں ہے چاند سورج ستارے سیارے اپنے axis میں چکر لگاتے ہیں اس لیے تو ان میں harmoney ہے ورنہ ایک ہی دن میں سارا نظام درہم برہم ہو جائے اسی طرح ہماری زندگی میں limitation بھی harmony پیدا کرتی ہیں اور زندگی smooth چلتی ہے۔"

اس نے عائشہ کا ہاتھ چھوڑ دیا اور وہ چلی گئی۔ رات بھر عائشہ کے code of life کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔



فون کی گھنٹی بجی تو عمیر نے فون اٹھایا۔ حال احوال پوچھنے کے بعد توصیف احمد۔

"میں نے گھر کا کرایہ بھیج دیا ہے۔ ذرا ایک مرتبہ گھر کی صفائی کروا دینا۔"

وہ اس کی امید توڑنا چاہتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا، "کہ توصیف تکلیف میں ہے۔"

"یار! اتنے سالوں سے مفت میں گھر کا کرایہ دے رہے ہو۔ حالانکہ گھر خالی پڑا ہے۔ اور اس کا دروازہ بھی چوبیس گھنٹے کھلا رہتا ہے۔"

ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے توصیف۔

"اس امید میں دروازہ کھلا رکھنے کو کہا ہے شاید وہ لوٹ کر آئے کہیں بند دیکھ کر لوٹ نہ جائے۔"

چونکہ عمیر جانتا تھا کہ اُمید کسک پیدا ہوتی ہے۔اس سے تکلیف۔اس لیے عمیر۔

"یار! ہوسکتا ہے وہ مرگئی ہو۔"

یہ الفاظ سنتے ہی توصیف کی آنکھیں بھیگ گئیں لیکن امید کا دامن نہ چھوڑتے ہوئے۔

"وہ ضرور آئے گی ورنہ اس گھر کا دروازہ بند نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی لیکن تم ہمارے لیے پیسے مت بھیجا کرو مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔"

اس کو حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے توصیف۔

"یہ اس قرض کی واپسی ہے جو تم نے دیا تھا۔"

خود ہی اظہار افسوس کرتے ہوئے عمیر۔"کیسا قرض؟ جب عائشہ کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہوں کہ اس کو بچا پایا بھی ہوں یا نہیں۔"

اس کا احسان مند ہوتے ہوئے توصیف۔

"نیت دیکھی جاتی ہے انجام نہیں۔"

جیسے ہی اس نے فون بند کیا پاس بیٹھی آمنہ دکھی انداز میں۔

"توصیف بھائی کے دکھ پر وقت کا مرہم نہیں ہوگا۔"

ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے عمیر۔"نہیں بلکہ ناسور بن گیا۔امریکہ کا اتنا بڑا ڈاکٹر بن گیا ہے لیکن خوشی کو قریب نہیں آنے دیتا۔"

اتنے سالوں میں عائشہ روز فیس بک کھول کر اپنے بھائی کو دیکھ کر سوتی تھی۔آج رات تو

اس کو دیکھ کر اور لوگوں کی رائے پڑھ پڑھ کر خوش ہو رہی تھی کہ اس کا بھائی کتنا بڑا ڈاکٹر بن گیا تھا۔ وہ خوشی سے جھوم رہی تھی۔

چونکہ وہ بڑی اچھی فطرت کا مالک، نیک اور با اصول باپ کا بیٹا تھا۔ اس لیے اپنے اوپر ہونے والے ظلم کا بدلہ لینے کی بجائے عاجز وانکسار بن گیا تھا۔ لوگوں کی خدمت کو عبادت سمجھ کر کرتا تھا۔ سب سے بڑے مروت ولحاظ سے پیش آتا تھا کہ اس کے اندر کے طوفان کا کسی کو احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔ احسان جاوید اور نفیسہ بیگم اس سے ملے تو وہ ان کے ساتھ بڑے اچھے طریقے سے پیش آیا۔ احسان جاوید کا اچھے طریقے سے معائنہ کیا۔ اور دوران آپریشن بھی ان کو ہر طرح سے مدد کرنے کا وعدہ بھی کیا۔ حالانکہ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی بہن ان کے گھر میں ہے پھر یہ اچھوں کے ساتھ اچھا ہی ہوتا ہے۔ دونوں اچھے تھے اس لیے قدرت بھی ان کو ملا دیتی۔ دونوں نے اپنی اپنی فطرت کے مطابق بغیر جانے ایک دوسرے کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

وہ خوشی سے جھوم رہی تھی کہ شامیہ آ گئی۔ اس کو اتنے سالوں میں شامیہ نے پہلی مرتبہ اتنا خوش دیکھا تھا۔ وہ شامیہ کو دیکھ کر اس کے گلے لگ گئی۔ خوشی سے شامیہ۔

"آپی! اتنی خوشی، سورج کہاں سے نکلا ہے۔"

چونکہ وہ شامیہ سے بہت پیار کرتی تھی اور اس کو ساری باتیں بتاتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی پکی دوستیں تھیں۔

"تمھیں پتہ ہے میرا بھائی امریکہ کا بہت بڑا سرجن بن گیا ہے۔"

حیرت سے شامیہ۔

"آپ کو کیسے پتہ چلا۔"

"میں نے فیس بک پر لوگوں کے اتنے اچھے Comments پڑھے ہیں۔ وہ لوگوں کا علاج کرنے کے لیے مختلف ممالک جاتا ہے۔ جب وہ پاکستان آیا تو ہم دونوں اس سے ملنے چلیں گے۔"

خوشی سے شامیہ۔

"ضرور آپی۔ کیا ماما بابا کو نہیں بتائیں گی۔"

سوچتے ہوئے عائشہ شامیہ کا ہاتھ پکڑ کر۔

ضرور......ضرور......لیکن پلیز پہلے میں خود ملوں گی۔" پھر اس کے ہاتھ محبت سے دباتے ہوئے اس کو اس کے ساتھ ہونے کا احساس دلانے لگی۔

جب احسان جاوید کا آپریشن تھا تو، توصیف نے خود احسان جاوید کا آپریشن کیا۔ ہسپتال میں بھی ان کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اسی دوران توصیف احمد اور احسان جاوید کی دوستی ہو گئی تھی۔ وہ اس سے اس کی فیملی کے بارے میں پوچھنے لگے۔

"ویسے تو میرا کوئی نہیں ہے صرف ایک بہن ہے۔"

"چلو! جب پاکستان آؤ۔ اس کو بھی ساتھ لانا۔"

وہ چپ ہو گیا کہ کیا بتائے بہن کہاں ہے۔ پھر بات کو ٹالتے ہوئے۔

"اگلے ماہ ہماری پاکستان میں کیمپنگ ہے سروسز ہسپتال کارڈیالوجی وارڈ میں۔ ڈاکٹر عمران میرے دوست ہیں ان کے invitation پر جا رہا ہوں۔ ہم ان کا علاج کریں گے جو علاج afford نہیں کر سکتے۔"

چونکہ احسان جاوید کھلے دل کا انسان تھا تو وہ جھٹ سے۔

"تمہارے پاکستان میں قیام کے دوران تم ہمارے گھر ٹھہرو گے۔"

"آپ تکلف کر رہے ہیں۔میرا ہوٹل میں کمرہ تک ہوتا ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو میں تمہیں خود آ کر لے جاؤں گا۔"

ان کے آنے سے توصیف کے دکھ تازہ ہو گئے تھے۔اب وہ ہسپتال سے گھر جانے کا نام ہی نہیں لیتا تھا کیونکہ گھر کی تنہائی میں عائشہ کی یاد تنگ کرتی تھی۔

جو مر جاتے ہیں ان پر صبر آ جاتا ہے لیکن جو بچھڑ جاتے ہیں ان کی یاد ہمیشہ ستاتی ہے۔وہ گھر گیا تو عمران کا فون آ گیا۔حال احوال پوچھنے کے بعد اس کو تنہائی دور کرنے کے لیے شادی کا مشورہ دیا۔

"کیسے شادی کر لوں، پہلے عائشہ کی کروں گا۔پھر اپنی۔"

"اتنا غصہ کیوں کر رہے ہو۔اس مرتبہ تم پاکستان آئے تو دونوں مل کر ڈھونڈیں گے ضرور مل جائے گی۔"

اس کو خوش کرنے کے لیے۔

"میں نے تو عائشہ کے لیے لڑکا بھی ڈھونڈ لیا ہے۔بس وہ مل جائے۔اس کے لیے لڑکوں کی لائن لگا دوں گا۔اب جو میرا اسٹیٹس ہے وہ سب میری بہن سے شادی کرنا چاہیں گے۔ بیس تو مجھ اب ہی کہہ چکے ہیں۔حالانکہ انہوں نے تو عائشہ کو دیکھا بھی نہیں۔"

"ہو سکتا ہے اس نے شادی کر لی ہو۔"

"ایسا نہیں ہو سکتا، وہ شادی کرنے سے پہلے مجھے فون کر کے بتائے گی ضرور جہاں بھی ہوئی۔"

"اس کے پاس تو تمہارا نمبر بھی نہیں ہے۔"

"اب تو سوشل میڈیا اِن ہے۔فیس بک یا ٹویٹر سے رابطہ کر لے گی۔اس کی وجہ سے میں

ہر message کا جواب دیتا ہوں کہ کہیں عائشہ ہی نہ ہو۔ کوئی چاہے مجھے message کر کے بھول جائے۔ لیکن میں Reply کرنا نہیں بھولتا۔‘‘

ٹھنڈی آہ بھرتے ہوئے توصیف۔ ’’خدا کرے تمہاری تلاش ختم ہو جائے۔‘‘

☆......☆......☆

وقتاً فوقتاً نفیسہ بیگم، عائشہ یا بازف کو فون کر کے گھر کے بارے میں پوچھتی تھی لیکن جب احسان جاوید کے بارے میں پوچھا جاتا تو خاموش ہو جاتی تاکہ بچے پریشان نہ ہوں۔

چھٹی کا دن تھا۔ بازف کی یونیورسٹی کے دوست آئے تھے۔ جن میں تین لڑکیاں اور تین لڑکے شامل تھے۔ برید کے بھی دوست تھے۔ موسم بھی بڑا اچھا تھا۔ ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی برید کچن میں جا کر عائشہ سے۔

’’آپی! میرے اور بھائی کے دوست آئے ہیں۔ آپ چائے کے ساتھ کچھ دے کر پروین کو بھیج دیں۔‘‘

چونکہ وہ برید سے بہت پیار کرتی تھی اس کی عزت بڑھانے کے لیے۔

’’اگر تم مجھے آدھا گھنٹہ دو تو زبردست چائے بھیج دیتی ہوں۔‘‘

ہنستے ہوئے برید۔

’’آپی، آپ گھنٹہ لیں۔‘‘

’’ٹھیک ہے تم جاؤ۔ یہ بتاؤ کتنے لوگ ہیں۔‘‘

گنتے ہوئے۔ ’’دو میرے، چھ بھائی کے، ٹوٹل آٹھ لوگ ہیں آپی۔‘‘

اس کے جانے کے بعد اس نے پروین اور خالدہ کو ساتھ لگایا۔ پروین سے۔ ’’آلو چھیلو، خالدہ فریج سے سامان نکالو۔‘‘ خود تیل چولہے پر رکھتے ہوئے خالدہ سے۔ ’’وہ جو کل رات کو

نا گٹس اور کباب بنائے تھے وہ نکال کردو۔"

اس نے نکال کر دیں۔ پھر اس سے مچھلی جو اس نے چوپ کر کے رکھی تھی نکال کر دینے کو کہا۔ اتنی دیر میں تیل گرم ہو گیا تھا۔ ساتھ میں چائے کے لیے پانی بھی خود نا گٹس تیل میں ڈال کر۔ پروین کو دیکھنے کے لیے کہہ کر مچھلی والے پکوڑوں کا مصالحہ بنانے لگی۔ پروین نے آلو چھیل لیے تو آلو والے پکوڑوں کا بھی سامان تیار کرنے لگی۔ پھر دوسرے چولہے پر تیل رکھ کر پکوڑے بنانے لگی آدھے گھنٹے میں دو طرح کے پکوڑے نا گٹس اور کباب بن گئے۔

اس نے خالدہ اور پروین کے ہاتھ چائے اور اس کے لوازمات بھیج دیئے۔ خود تھک کر جا کر بستر پر لیٹ گئی۔ اتنا کچھ دیکھ کر بازف حیران سا رہ گیا۔ برید نے بہت خوش ہو کر پروین اور خالدہ کو رکھ کر جانے کو کہا۔ وہ سب کو خود چائے سرو کرنے لگا۔ سب کو دونوں طرح کے پکوڑے، نا گٹس اور کباب بہت پسند آئے۔

مچھلی کے پکوڑے کھاتے ہوئے ارحم۔

"یار! تمہارا لک بڑا اچھا کھانا پکانے لگ گیا ہے۔ سب کچھ بہت مزیدار ہے۔ انہوں نے تو موسم کا مزہ دوبالا کر دیا ہے۔"

دوسرا دوست۔ "نا گٹس ایسے میں نے پہلے کبھی نہیں کھائے۔"

تیسرا دوست۔ "کس چیز کی تعریف کروں اور کس کی نہ۔"

غرض کہ سب نے بہت تعریف کی۔ سب کے منہ سے تعریف سن کر برید۔

"یہ سب عائشہ آپی نے بنایا ہے۔"

آنکھوں کے اشارے سے بازف کی طرف دیکھتے ہوئے ارحم۔ "کھانا تو عائشہ بہت کمال کا بناتی ہے۔"

خوشی سے برید۔ ''جتنی خوبصورت ہے اس سے زیادہ اچھی ہیں۔ منٹوں میں سب کچھ حاضر کر دیتی ہیں۔''

قریب جا کر ارحم باز ف کے کان میں۔ ''یہ تمہارے والی حور ہے؟ کیا ہم مل سکتے ہیں؟''

اسی دوران شامیہ ادھر آ گئی۔ وہ برید اور باز ف کے سب دوستوں کو جانتی تھی۔ اس نے سب کو سلام کیا۔

برید کے دوست برید سے۔

''ہمیں بھی اپنی عائشہ آپی سے ملواؤ۔ اتنی تعریفیں سنی ہیں۔ اب تو تجسس ہو گیا ہے۔''

آگ لگاتے ہوئے ارحم۔ ''باز ف سے تو پوچھ لو کہیں اس کو برا نہ لگ جائے۔''

منہ بناتے ہوئے باز ف۔ ''مجھے کیوں بُرا لگے گا۔''

چونکہ ارحم چاہتا تھا کہ باز ف سب کے سامنے اپنی محبت کا اقرار کرے۔ اس لیے اس کو چڑانا شروع ہو گیا۔ گھر والوں میں برید اور شامیہ کو تو پتہ تھا۔

''میں آپی کو لے کر آتا ہوں۔''

''برید! تم ان کے پاس بیٹھو میں اور شامیہ لے کر آتے ہیں۔'' راستے میں باز ف شامیہ سے۔ ''تم یہاں ٹھہرو میں اس کو لے کر آتا ہوں۔''

وہ وہیں رک گئی۔ اس نے جا کر اس کے دروازے پر دستک دی۔ اس نے بغیر کچھ سوچے کہا۔ ''اندر آ جاؤ۔'' دیکھتے ہی باز ف کو عائشہ۔

''تم کیسے آئے ہو؟''

''حور کو اپنے دوستوں سے ملوانا ہے۔''

چونکہ وہ نیند میں تھی۔ ''اس لیے اچھا اٹھتی ہوں۔''

اس کو آہستہ آہستہ اٹھتے دیکھ کر۔

"تم اٹھنا پسند کرو گی یا اٹھا کر لے جاؤں۔ مجھے تو کوئی فرق نہیں پڑے گا تمہیں ہی مسئلہ ہوگا۔ مجھے تو محبوب کے قریب ہونے سے energy ملے گی۔"

جلدی سے اٹھتے ہوئے۔ "یہ اپنے cheap ڈائیلاگ کم بولا کرو۔"

محبت بھری نظروں سے۔ "یہ تم غصہ کیوں کرتی ہو۔"

خشک سا جواب دیتے ہوئے عائشہ۔ "ہر action کا reaction ہوتا ہے۔"

اس کے دیکھنے کا انداز ہی ایسا تھا کہ وہ اس کو اندر تک محسوس کرتی تھی اور ہل جاتی تھی۔

کمرے سے نکلنے کے بعد شامیہ بھی اس کے ساتھ مل گئی۔ وہ اس کو سب سے ملوانے لے کر گئے۔ سب نے باری باری عائشہ کو سلام کیا۔ وہ بھی سب سے بڑے تپاک سے ملی۔

برید کے دوستوں نے اس کو بتایا کہ وہ ان کی بڑی تعریف کرتا ہے۔

"ویسے ہی بھائیوں کو بہنیں اچھی لگتی ہیں برید میرا بھائی ہے اور بازف......"

وہ بولنے ہی لگی تھی تو بازف اس کے قریب ہو کر۔ "بس برید تک ہی بھائی رکھو میں نہیں۔"

"اس کی گفتگو آپ سے شروع ہو کر آپ پر ہی ختم ہوتی ہے۔"

"وہ نظروں سے سنا تم نے؟"

وہ باتیں کر رہے تھے اور بازف کی نظریں عائشہ پر ہی تھیں۔ وہ بھی جو اس پر جادو کی طرح اثر کرتی تھیں۔ وہ ان کو نظر انداز کر رہی تھی۔ سب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے۔

"آپ سب بھی بہت اچھے ہیں اور یہ دونوں بھی۔ اس لیے تعریف کرتے ہیں ورنہ ایسی کوئی بات نہیں۔"

ایک لڑکی اٹھ کر عائشہ کے پاس آ کر۔ "آپ تو سچ میں حور ہیں۔"

اس کا پیار سے ہاتھ پکڑ کر عائشہ۔ ’’آپ بھی بہت خوبصورت ہو۔ ویسے بھی خوبصورتی آپ کی آنکھ میں ہوتی ہے۔‘‘

مذاق سے ارحم۔ ’’عائشہ بازف کے ساتھ ہی اچھی لگتی ہے۔‘‘

کیونکہ اس کے نزدیک کسی کو کسی سے جوڑنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ بازف سے۔

’’حور تم لے رہے ہو یا کسی اور کے حوالے کرنا چاہتے ہو۔‘‘

جھٹ سے بے ساختہ بازف۔ ’’حور تو میری ہی ہے کسی اور کو نہیں مل سکتی۔‘‘

اس کا جواب سن کر سب اس کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور ارحم کی تعریف کرتے ہوئے۔

’’آخر تم نے اس کے منہ سے سچ اگلوا ہی لیا۔‘‘

آنکھوں کے اشارے سے بازف۔ ’’ٹھیک ہی کہہ رہا ہوں۔‘‘

ہیرا کسی ایک کو ملتا ہے تو دوسرے کا دل ٹوٹتا ہے۔ آصفہ کو بھی برا لگ رہا تھا۔ بلکہ یوں کہ اس کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ بات کو ہنسی میں ٹالتے ہوئے۔ ’’دوست یہ مذاق تھا۔ ایسی کوئی بات نہیں۔‘‘

وہ جو اپنا غصہ پی رہی تھی آصفہ کا ساتھ دیتے ہوئے۔

’’جی یہ ٹھیک کہہ رہی ہے یہ تو مذاق تھا۔‘‘

سب دوستوں کو انہوں نے اچھے طریقے سے رخصت کیا۔ شامیہ اور برید بھی کمرے میں چلے گئے۔ تو وہ بازف سے۔ ’’یہ کیسا بے ہودہ مذاق تھا‘‘

بڑے پیار سے اس پر آنکھوں کی ریز ڈالتے ہوئے۔

’’تم میرے positive behaviour کے بدلے میں negative behaviour پیش کر کے اس کو neutral بنا دیتی ہو یعنی ساری محنت ضائع کوئی اثر

نہیں۔"

غصے سے عائشہ۔" ظاہر ہے جیسا cause ہوگا ویسا ہی effect آئے گا۔"

کچھ کہے بغیر اس کو گھور کر چلا گیا۔ وہ ہار ماننے والا کہاں تھا۔ اگلے دن شامیہ کے کمرے میں وہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ جا کر، "شامیہ مجھے B.Com کی کتاب نہیں مل رہی کہاں ہے۔"

حیرت سے شامیہ۔" بھائی آپ کب تک پڑھیں گے۔ بھائی آپ کی طبیعت تو خراب نہیں؟"

" ہرگز نہیں۔ جو کہا ہے وہ کرو۔"

وہ گئی تو اس کے پیچھے چلا گیا۔ پھر ہاتھ جوڑتے ہوئے۔" میری ماں جلدی سے مت لے کر آ جانا۔"

حیرت سے شامیہ۔" لیکن کیوں۔"

" مجھے عائشہ سے بات کرنی ہے دیر سے آنا۔"

وہ واپس کمرے میں آیا تو عائشہ جانے لگی۔ جلدی سے بازف اس کے سامنے آ گیا۔ وہ ایک طرف سے گزرنے لگی تو وہ آگے آ گیا۔ اگر اس نے دوسری طرف سے جانا چاہا تو وہ دوسری طرف سے آ گیا۔ لیکن اس سے فاصلے پر رہا۔

" تمہیں دیکھنے آیا ہوں اور تم جا رہی ہو۔"

منہ بناتے ہوئے عائشہ۔" کیونکہ تمہارے اس قسم کے ڈائیلاگز کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

اس کو دیکھتے ہوئے۔" لیکن میرے پاس ہے۔"

حیرت سے۔ ”وہ کیا؟“

عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے۔ ”محبت کا جواب محبت سے دو اور نفرت کا نفرت سے۔“

طنزیہ انداز میں۔ ”واہ! کیا عقلمندی کا آپ نے مظاہرہ کیا ہے۔ داد دینے کو دل چاہ رہا ہے۔“

کچھ بھی ہو اس کی نظریں عائشہ پر سے کہاں ہٹتی تھیں۔

نظروں سے پھر دو......

”میرے پاس کوئی جواب نہیں مجھے جانے دو۔“

جھنجھلا کر۔ ”یار! مجھے دیکھنے تو دو اتنے پاپڑ بیلے ہیں تم تک پہنچنے کے لیے۔“

”لیکن مجھے تمہارے اس طرح دیکھنے سے کوفت ہوتی ہے۔“

ہنستے ہوئے شرارتی لہجے میں۔ ”میں تو سمجھا تمہیں پتہ ہی نہیں چلتا۔ مطلب میری محنت ضائع نہیں۔ بلکہ یوں کہوں میری آنکھیں محبت کا پیغام پہنچا دیتی ہیں۔“

کچھ کہنے سے گریز کرتے ہوئے عائشہ۔ ”مجھے نہیں پتہ۔ بس مجھے جانے دو۔“

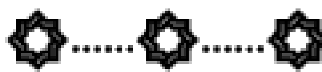
خوش ہوتے ہوئے۔ ”جاؤ، کیا یاد کرو گی۔“

اس کے جاتے ہی خوشی سے اچھل کر۔ ”یا ہو! آج کا دن کامیاب رہا۔“

ہانپتی ہوئی شامیہ کتاب لے کر آئی۔ ”یہ لو بھائی بک۔“

”اب اس کی ضرورت نہیں لے جاؤ۔“

”لیکن میں نے تو مشکل سے ڈھونڈی تھی۔“



(آخری قسط)

عورت کے زندگی میں آنے سے مرد کے رنگ ڈھنگ ہی بدل جاتے ہیں۔ وہ ذمہ دار اور قابل فہم بن جاتا ہے اور اونچ نیچ کو سمجھنے لگتا ہے۔ بازف کی زندگی میں عائشہ کے آنے سے اس کے بھی الگ ڈھنگ بدل گئے تھے۔ وہ ذمہ دار ہونے لگا تھا۔ والدین کی غیر موجودگی میں ایک رات بھی باہر نہیں گیا۔ زندگی کی چھوٹی بڑی باریکیوں کو سمجھنے لگا تھا۔ جب والدین امریکہ سے واپس آئے تو ڈرائیور کی بجائے خود ان کو ائیر پورٹ سے لینے گیا۔

جیسے ہی انہوں نے اس کو دیکھا تو حیرت زدہ ہوئے۔ خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات سے نفیسہ بیگم۔ ''احسان صاحب! دیکھیں تو کون لینے آیا ہے۔''

اس کو دیکھتے ہوئے۔ ''بیگم دیکھ بھی رہا ہوں اور سمجھنے کی کوشش بھی کر رہا ہوں۔''

''تو پھر کیا سمجھے؟''

چونکہ احسان بہت بڑا بزنس مین تھا۔ انسانوں کو فٹ سے پہچان لیتا تھا۔

''تمہارے بیٹے کی زندگی میں لڑکی آ گئی ہے۔''

قریب آ کر دونوں بازف سے ملے۔ پھر گاڑی میں بیٹھ کر گھر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس کو دیکھتے ہوئے احسان۔ ''بیٹا! طبیعت تو ٹھیک ہے۔''

باپ کو دیکھتے ہوئے۔ ''کیوں بابا؟''

''کیونکہ مجھے نہیں یاد پڑتا کبھی تم ہمیں چھوڑنے یا لینے آئے ہو۔''

خوشی سے۔ ''بابا! آپ میری محبت پر شک کر رہے ہیں۔''

ہنستے ہوئے۔ ''بس اب جلدی سے نام بھی بتا دو۔''

باپ کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے۔ ''کیا آپ نجومی ہیں؟''

''نہیں بیٹا لیکن بال دھوپ میں سفید نہیں کیے ہم نے۔''

''پھر فکر نہ کریں گھر چل کر نام بھی پتہ چل جائے گا۔''

اس کی طرف دیکھتے ہوئے۔ ''میری طرف دیکھو...... عائشہ؟''

ہنس کر۔ ''جی بابا۔''

عائشہ کا نام سننا تھا کہ خوشی سے نفیسہ بیگم۔ ''سچ میں؟''

''جی ماما۔''

''شکر ہے کوئی اچھی لڑکی ہے۔''

گھر پہنچ کر سب بچے والدین کے کمرے میں جمع تھے۔ نفیسہ بیگم اور احسان جاوید کو پہلی مرتبہ گھر گھر لگ رہا تھا۔

باپ کے ساتھ پیار سے لگتے ہوئے شامیہ۔ ''بابا! آپ نے کیوں نہیں بتایا کہ آپ دل کے آپریشن کے لیے جا رہے ہیں۔''

اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے۔ ''تاکہ میری بیٹی پریشان نہ ہو۔''

دونوں بیٹے۔ ''بابا آپ کو بتانا چاہیے تھا۔''

اپنی محبت کا اظہار کرتے ہوئے بازف۔ ''فیملی وہی ہوتی ہے جو دُکھ سکھ میں ساتھ ہو۔ یہ تو نہیں کہ دکھ بتاؤ ہی نہیں۔ اپنوں کا پتہ دکھ میں چلتا ہے۔''

حیرت سے دونوں میاں بیوی اس کو دیکھ رہے تھے۔ ''تم کتنے بدل گئے ہو۔''

''Not bad''

عائشہ کو پاس بلا کر نفیسہ بیگم نے اس کو گلے لگا کر بہت پیار کیا۔ بازف کی نظریں عائشہ پر

ہی تھیں۔

پھر نفیسہ بیگم توصیف کے بارے میں بتانے لگی۔ نام سن کر عائشہ کو لگا کہ "اس کے بھائی کی بات ہو رہی ہے۔" جب نفیسہ بیگم نے بتایا کہ "اس کی ایک بہن بھی ہے۔" تو وہ سمجھی کہ وہ کوئی اور ہے اور اس کی بہن اس کے ساتھ ہی رہتی ہو گی۔

بیوی کی تائید کرتے ہوئے احسان جاوید۔ "بہت قابل اور بڑا اچھا ڈاکٹر ہونے کے ساتھ اچھا انسان بھی ہے۔ ہم نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت دی ہے۔ اگلے ماہ آئے گا۔"

سب ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنے لگے تھے۔ وہ باہر کھانا کھانے لگے۔ اکٹھے سیر بھی کرنے گئے۔ سب نے بہت مزہ کیا۔ اور گھر گھر لگنے لگا۔ اسی دوران بازف بیمار ہو گیا۔ وہ دو دن بخار میں مبتلا رہا اور نفیسہ بیگم تو اس کے سرہانے ہی بیٹھی رہی تھی۔ سوچ تو تھی ہی اس کی مڈل کلاس عورت جیسی لیکن عائشہ نے اسے بتا ہی دیا۔ برید اور شامیہ بھی بھائی کو وقتاً فوقتاً دیکھتے رہتے تھے۔ عائشہ بس دور دور سے دیکھتی تھی۔ تیسرے دن جب اس کو ہوش آیا تو نفیسہ بیگم کی سانس میں سانس آئی۔ ہوش میں آتے ہی وہ عائشہ کو دیکھنا چاہتا تھا۔ رات کا وقت تھا۔ اس کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ عائشہ کو کیسے بلائے اور وہ بھی آ جائے۔ اس نے اس کو فون کیا۔

فون اٹھاتے ہی عائشہ۔ "بخار کیسا ہے۔"

بڑے رعب سے "تمہیں اس سے کیا۔ بس ایک کپ چائے اور کباب۔ جلدی سے لاؤ۔" پھر فون بند کر دیا۔ ایک تو اس کے رعب میں آئی ہوئی تھی، دوسرا اس کے بخار کا سوچ کر پریشان ہو گئی۔ شامیہ کے کمرے میں گئی۔

اس کو رات میں اپنے کمرے میں دیکھ کر شامیہ۔ "خیریت تو ہے؟"

آہستہ سے۔ "بازف نے چائے اور کباب لانے کو کہا۔ اگر پروین کے ہاتھ بھیجے گئے تو

نہیں کھائے گا۔اوپر سے اس کو بخار بھی ہے۔چلو میرے ساتھ۔"

دونوں کچن میں گئیں۔ پہلے چائے بنائی، ساتھ میں کباب فرائی کیے۔شامیہ ساتھ بیٹھی رہی۔دونوں چائے اور کباب لے کر کمرے میں گئیں۔اس کو دیکھ کر جیسے بازف کی جان میں جان آگئی۔

"تم آگئی۔"

"ظاہر ہے غصے سے کہو گے تو آؤں گی۔"

چائے کا کپ اور کباب والی ٹرے اس کے ساتھ والے بستر کے میز پر رکھ کر۔

"اب میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"دونوں بیٹھ جاؤ۔"

شامیہ بستر پر اور عائشہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

بڑے پیار سے شامیہ۔"بھائی! میں آپ کو کباب کھلاؤں؟"

"نہیں اب ایسی بھی کوئی بات نہیں۔میں ٹھیک ہوں۔"

آنکھوں کے اشارے سے عائشہ کو۔"تم کھلا دو۔"

وہ جلدی سے منہ نیچے کر کے بیٹھ گئی۔

پھر تینوں بیٹھے تین چار گھنٹے باتیں کرتے رہے اور بازف کی نگاہیں اس کو دو دن کی ساری دل کی روداد سنا رہی تھیں۔پھر وہ چلی گئیں۔شامیہ اپنے کمرے میں اور عائشہ اپنے کمرے میں۔ابھی وہ لیٹی ہی تھی کہ بازف کا دوبارہ فون آگیا۔کیونکہ وہ بخار میں مبتلا تھا دوسرا اس کا برے وقت کا دوست بھی تھا۔اس لیے بڑے پیار سے۔

"ابھی تو آئی ہوں۔"

"لیکن میرا دل نہیں بھرا۔ پہلے یہ بتاؤ۔"

"جو میری آنکھوں نے بتایا سب سمجھ آ گیا۔" ہچکچاتے ہوئے عائشہ۔

"ظاہر ہے آنکھیں تھوڑی Indicator زیادہ ہیں نا چاہتے بھی سب بتا دیتی ہیں۔ آج میرا دل چاہ رہا ہے تم اس رات کی طرح میرے سامنے بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں۔"

"لیکن تمہارا میرے پر کوئی حق نہیں۔"

"تو کیسے حق ہو گا۔"

"مطلب میں تمہاری بیوی نہیں ہوں۔"

"بیوی تو تم میری ہی بنو گی۔"

"اگر نہ بنی تو......" آج وہ اس سے کوئی تلخ بات نہیں کر رہی تھی کیونکہ اس کو لگتا تھا۔ آج اس کو اس کی ضرورت ہے۔

"ایسا ممکن نہیں کیونکہ میں آزمائش میں پاس ہو گیا تھا اور تم میرا انعام ہو۔"

"کیسی آزمائش۔"

"نجومی نے کہا تھا کہ میری آزمائش ہو گی۔ لیکن اس کو انجام کا نہیں پتہ چل رہا تھا کہ فیل ہوں گا یا پاس۔ میں پاس ہو گیا بس تم میرا انعام ہو۔ دیکھو! انعام میں دنیا میں حور مل رہی ہے۔ باتیں کرتے کرتے آج تم غصہ نہیں کر رہی۔"

"ایک دن مجھے ضرورت تھی۔ تم نے مدد کی۔ آج تمہیں ضرورت تھی تو میں مدد کر رہی ہوں۔"

"تم کچھ بھی کہو لیکن یہ یاد رکھنا تم میری بیوی ہو۔"

جلدی سے عائشہ۔ ”پاگل ہو گئے ہو۔ خبردار! کسی کے سامنے کہا۔“

اس کو پتہ چل گیا تھا کہ ”اس سے وہ ڈر جاتی ہے یعنی اس کی کمزوری ہے۔“

”اگر تم چاہتی ہو کہ کسی کے سامنے نہ کہوں تو جب میں بلاؤں فوراً آ جانا۔ ورنہ اگر ماما، بابا کو بتا دیا تو وہ تو ہاتھ سے پکڑ کر میرے پاس چھوڑ دیں گے۔“

سوچتے ہوئے عائشہ۔ ”اس سے ان کا مجھ پر سے اعتماد بھی ختم ہو جائے گا۔“

تصدیق کرتے ہوئے سنجیدہ انداز میں۔ ”تم بالکل ٹھیک سمجھی۔“

باتیں کرتے کرتے دونوں ہی سو گئے تھے۔

ٹھیک ہوتے ہی بازف نے اپنی ماں سے اپنے اور عائشہ کے رشتے کی بات کی۔

”ٹھیک ہے بیٹا آج تمہارے بابا سے بات کروں گی۔“

تاکید کرتے ہوئے بازف۔

”ماما! انکار مجھ سے برداشت نہیں ہوگا۔“

اس کو پیار کرتے ہوئے نفیسہ بیگم۔ ”پریشان نہ ہو سب ٹھیک ہوگا۔“

رات کو نفیسہ بیگم احسان جاوید سے عائشہ کے رشتے کی بات خوشی سے کرتے ہوئے......

”گھر کی بچی ہے اس کو بلاؤ ابھی بات کر لیتے ہیں۔“

پروین کو بھیج کر نفیسہ بیگم نے عائشہ کو بلوایا۔ جیسے ہی پروین نے جا کر عائشہ کو نفیسہ بیگم کا پیغام دیا۔ وہ گھبرا گئی۔ ”نجانے کیا بات کرنی ہوگی؟“

اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے شامیہ۔

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ماما نے آپ سے بازف بھائی سے شادی کے بارے میں پوچھنا ہے۔“

سکون کا سانس لیتے ہوئے عائشہ۔ ’’جوان کا فیصلہ ہوگا وہی میرا ہے۔ لیکن میں شادی اپنے بھائی سے ملے بغیر نہیں کروں گی۔‘‘

وہ بڑے پرسکون انداز میں نفیسہ بیگم کے پاس گئی۔ اس نے اس کو اپنے پاس بٹھایا۔

احسان جاوید۔ ’’بیٹا! تم پر کوئی دباؤ نہیں۔ اپنی مرضی سے بتاؤ بازف تم کو کیسا لگتا ہے؟‘‘

’’اچھا انسان ہے۔‘‘

’’تو کیا تم اس سے شادی کرو گی۔‘‘

’’انکل! آپ میرے لیے جو فیصلہ کریں گے وہی ٹھیک ہوگا۔ آج تک آپ نے میرے ساتھ اچھا ہی کیا ہے۔ جو آپ کا فیصلہ وہی میرا فیصلہ۔ لیکن صرف ایک شرط ہے۔ شادی دو ماہ بعد کیجیے گا۔‘‘

اس کے اس جواب سے نفیسہ بیگم اور احسان جاوید خوش ہو گئے۔ احسان جاوید نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور نفیسہ بیگم نے محبت سے گلے لگایا۔

خوشی سے احسان جاوید۔ ’’جب تم چاہو گی شادی تب ہی ہوگی۔‘‘

کمرے میں جا کر عائشہ۔ ’’شامیہ! ہاں تو میں نے کر دی ہے کیونکہ انکل آنٹی کے بہت احسانات ہیں لیکن دل میں کسک ہے۔‘‘

حیرت سے شامیہ۔ ’’کیسی؟‘‘

’’مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔ چلو! چھوڑو خود ہی وقت فیصلہ کر دے گا۔‘‘

تھوڑی دیر میں برید اور بازف کمرے میں آ گئے۔ خوشی سے برید۔

’’آپی! کیا آپ نے سچ میں بھائی کے لیے ہاں کر دی ہے۔‘‘

’’جی ہاں! ظاہر ہے میں آنٹی اور انکل کو نہ نہیں کہہ سکتی۔‘‘

پیچھے کھڑا بازف۔ ”بس تمہاری ہاں چاہیے کسی بھی طرح کرو۔ مطلب تم میری ہو۔“
اس کے پیچھے غور سے دیکھتے ہوئے عائشہ۔ ”یہ کہاں سے آگیا ہے؟“
اس نے جلدی سے منہ نیچے کرلیا۔ وہ چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی برید سے۔
”بھلا بتادیتے وہ بھی ساتھ ہے۔“
اس کو تسلی دیتے ہوئے برید۔ ”آپی سنا نہیں۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ آپ نے ہاں کردی ہے۔ چلو! اسی خوشی میں، میں آپ دونوں کو آئس کریم کھلانے لے چلتا ہوں۔“
”آج نہیں پھر کبھی آج دل نہیں چاہ رہا۔“
اس کی طرف دیکھتے ہوئے برید۔ ”آپی! آپ خوش نہیں، کیا بات ہے؟“
اپنے آپ کو ٹھیک کرتے ہوئے عائشہ...... ”کوئی خاص بات نہیں۔“
جلدی سے شامیہ۔ ”دراصل آپی نے اپنے بھائی کے بارے میں فیس بک پر پڑھا ہے۔ یہ ان سے ملنا چاہتی ہیں۔ یہ بھی ڈرتی ہیں کہ وہ اِن کو دیکھ کر کیا react کریں گے۔ ابھی ماما، بابا کو بتارہی تھیں۔“
دوسری طرف عائشہ کے دل میں کسک والی بات کو جان بوجھ کر چھپا گئی۔ وہ دراصل عائشہ کی صحیح معنوں میں دوست تھی۔
تسلی دیتے ہوئے برید۔ ”آپی! جب جانا ہو مجھے بتادیجیے گا۔ میں آپ کو لے جاؤں گا۔“
”ٹھیک ہے آپ آرام کریں، ہم پھر کبھی جائیں گے۔“
وہ بستر پر لیٹی اپنے بھائی کے بارے میں سوچ رہی تھی تو بازف کو شرارت سوجھی۔ کیونکہ اس کے ہاتھ عائشہ کی کمزوری آگئی تھی فون کرکے۔
”جلدی سے میرے کمرے میں آؤ۔“

غصے سے عائشہ۔ ''تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ اس وقت آنٹی اور انکل کیا سوچیں گے۔''

''مجھے کل آفس کے لیے تمہارے سے کپڑے select کروانے ہیں۔''

''میں نہیں آسکتی۔''

''لگتا ہے پروین کو آواز دے کر کہنا پڑے گا میری بیگم کو بھیجنا۔''

''تم ایسا نہیں کر سکتے۔''

''میں کر سکتا ہوں۔''

پھر منہ سے پروین...... نکلنے ہی والا تھا تو جلدی سے عائشہ۔ ''آتی ہوں۔''

وہ سوچنے لگی۔ ''اب کیا کروں؟'' اتنے میں اسے اپنی دوست شامیہ کا خیال آیا۔ وہ اس کے کمرے میں گئی اور اس کو بتایا کہ ''بازف کے کمرے میں اس کو جانا ہے۔''

حیرت سے شامیہ۔ ''خیریت تو ہے؟''

منہ بناتے ہوئے عائشہ۔ ''ورنہ وہ میری عزت کا جنازہ نکال دے گا جلدی چلو۔''

دونوں اس کے کمرے میں چلی گئیں۔ جا کر غصے سے بازف سے۔ ''اب حکم کرو۔''

اپنی بہن سے بازف۔ ''شامیہ! تم باہر جاؤ۔ کوئی آئے تو جلدی سے بتا دینا۔''

وہ شامیہ کا ہاتھ پکڑ کر۔ ''نہیں اس کے سامنے بتاؤ۔''

رعب سے۔ ''تمہیں کھاتا نہیں۔ شامیہ تم جاؤ۔''

وہ بھائی کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے باہر جا کر پہرہ دینے لگی تھی۔ غصے سے عائشہ۔ ''اب جلدی سے بتا دو۔''

''کپڑے select کر دو۔ نہیں تمہیں کھاتا۔''

سانس لیتے ہوئے عائشہ۔ ''ابھی تو دیکھ کر آئے ہو۔''

''بس دل دوبارہ دیکھنے کو چاہ رہا تھا۔اب اس پر کوئی فتویٰ مت دینا۔''

''فتویٰ کیا دوں۔تمہاری آنکھیں تھوڑی ہیں تلوار ہیں اندر تک انسان کو ہلا دیتی ہیں۔''

پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے۔''اچھا کپڑے بھی select کردو کل تمہاری پسند کے پہن کر جاؤں گا۔''

وہ کپڑے نکال رہی تھی وہ اس کو دیکھ رہا تھا۔اس سے اس کی نظروں کا سحر برداشت نہیں ہو رہا تھا۔اس نے جلدی سے کپڑے select کیے۔کپڑے نکال کر اس کو دیے۔''اب اجازت دو۔''

شرارتی نظروں سے دیکھتے ہوئے۔''دل تو نہیں چاہ رہا مگر اب جاسکتی ہو۔''اس کو جاتے جاتے۔''جب بھی بلاؤں فوراً آجانا۔ورنہ تم جانتی ہو میں کسی سے نہیں ڈرتا۔''

وہ جو شامیہ باہر پہرہ دے رہی تھی اس کو دیکھ کر۔''اچھا ہے آپ جلدی آگئیں۔''

اس کے جانے کے بعد خود سے۔''کیوں اس کو تنگ کرتے ہو۔کس قدر پریشان ہو جاتی ہے۔''پھر خود کو جواب دیتے ہوئے۔''کوئی بات نہیں ویسے ہی پاگل ہے۔اس کو تنگ نہ کروں تو کس کو تنگ کروں گا۔یہی محبت ہے۔''



ناشتے کی میز پر نفیسہ بیگم۔''بیٹا عائشہ! پروین سے کہہ کر بالکنی والا کمرہ اچھی طرح پروین سے صاف کروالینا۔''

تجسس کے انداز میں شامیہ۔''ماما کون آرہا ہے؟''

''ڈاکٹر توصیف بڑے نفیس انسان ہیں۔بازف، تم ڈرائیور کے ساتھ جا کر ان کو ہوٹل سے لے آنا۔ورنہ وہ مروت میں نہیں آئے گا۔بہت اچھا ہے سچ میں میرا دل شامیہ کے لیے

ہے حالانکہ دس رشتے ہیں شامیہ کے لیے۔"

اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے احسان جاوید۔ "سچ پوچھو تو میرا بھی۔"

"میں کوئی فالتو ہوں جو کسی کو بھی پلیٹ میں ڈال کر دے دیں گے۔"

اس کو پیار کرتے ہوئے احسان جاوید۔ "نہیں بیٹا، صرف بات یہ ہے ہیرے کو دیکھ کر انسان اپنوں کا سوچتا ہے۔"

"ہاں عائشہ کھانا بھی بہت اچھا بنوانا۔"

پاس سے شامیہ۔ "بلکہ ماما یہ کہیے، خود بنانا۔ بہت مزے کا بناتی ہیں۔"

"نہیں بیٹا، ہماری بیٹی اتنا کھانا بنا کر تھک جائے گی۔"

لقمہ دیتے ہوئے برید۔ "ماما! یہ تھکنے والی نہیں۔"

پاس بیٹھے احسان جاوید۔ "میرے متعلق کیا حکم ہے؟"

"بس آپ اپنا خیال رکھ لیں اتنا ہی کافی ہے۔"

کھانا بناتے ہوئے کچن میں شامیہ عائشہ کے پاس بیٹھی تھی۔ پروین اور خالدہ بھی ساتھ کام کر رہی تھیں۔ وہ عائشہ کو تسلی دیتے ہوئے۔ "ہو سکتا ہے یہ ہی ڈاکٹر توصیف آپ کے بھائی ہوں۔"

خود کو حقیقت کا احساس دلاتے ہوئے عائشہ۔ "نہیں اس کی تو بہن اس کے پاس ہے۔ میں تو اپنے بھائی کی ایک ہی بہن ہوں۔ وہ تو جانتا بھی نہیں میں کہاں ہوں؟"

اُس کے دکھی انداز کو دیکھ کر شامیہ نے بات بدل دی۔ "کھانوں کی تو بہت زیادہ خوشبو آ رہی ہے۔ وہ تو ضرور تعریف کرے گا؟"

اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے عائشہ۔ "تمہارے دل میں محبت ہے تو اس کے دل میں

کہاں ہو گی۔"

شام کو باز ف ڈرائیور کے ساتھ جا کر توصیف احمد کو لے کر آیا۔ اس کو بڑی عزت کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا۔ برید کا تعارف کرواتے ہوئے احسان جاوید۔ "باز ف سے تم مل چکے ہو۔ یہ ہے میرا دوسرا بیٹا برید۔"

"السلام علیکم توصیف بھائی۔"

سر ہلاتے ہوئے۔ "وعلیکم السلام۔"

اسی دوران شامیہ بھی وہاں آ گئی تھی۔ اس نے جیسے ہی توصیف کو دیکھا تو دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔

نفیسہ بیگم۔ "یہ میری بیٹی شامیہ ہے۔"

وہ جلدی سے جانے لگی تھی تو نفیسہ بیگم۔ "بیٹھو کہاں جا رہی ہو۔"

"کچھ نہیں ماما، میں ابھی آئی۔"

صرف توصیف کو مطمئن کرنے کے لیے۔ "پتہ نہیں اس کو کیا ہوا ہے۔"

وہ سیدھی عائشہ کے پاس کچن میں گئی۔ پہلے تو وہ بتانے لگی تھی لیکن پھر رک گئی۔ "یہ ڈاکٹر کوئی اور نہیں اس کا بھائی ہے۔ پھر خود سے ہی۔ "چلو خود جا کر دیکھے گی۔ تو اس کو خوشی ہو گی۔"

اس کو بازو سے پکڑ کر۔ "چلو! جا کر مہمان سے تو مل لو۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے۔

"تم ایسے لے کر جا رہی ہو جیسے میرے دل کا مہمان آیا ہو۔ کیا فرق پڑتا ہے ملوں یا نہ۔"

یوں وہ دونوں ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی تھیں۔ جیسے ہی عائشہ نے توصیف کو دیکھا وہ اس کی طرف بھاگی اور وہ اس کی طرف۔ دونوں گلے لگ کر خوب روئے۔ سب کے لیے یہ منظر حیرت انگیز تھا۔

آگے بڑھ کر احسان جاوید عائشہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے۔ "بیٹا! یہ کون

ہے؟"

آنسو صاف کر کے عائشہ۔" میرا بھائی توصیف۔"

اس نے ان کو ساری کہانی سنائی۔ عائشہ نے بھی توصیف کو ان کے بارے میں بتایا اور بتایا کہ بازف نے اس کی کس طرح مدد کی اور ساری فیملی نے اس کے ساتھ محبت اور شفقت بھرا رویہ رکھا اور اس کو عزت دی۔ وہ ان کا دل کی گہرائیوں سے ممنون تھا اور شکریہ ادا کرتے ہوئے......" آج کل کے دور میں کون کسی کے ساتھ ایسا سلوک کرتا ہے۔"

اس کو اُس کا احسان یاد دلاتے ہوئے احسان جاوید۔" تم نے بھی تو ہمارے لیے کچھ کم نہیں کیا۔"

کھانے کے دوران توصیف۔" آپ سب کا بہت شکریہ۔ میں ساری زندگی کا قرض دار رہوں گا کہ آپ نے میری بہن کو اتنی عزت دی۔ میں اس کو اب ساتھ لے جاؤں گا۔"

اس کو اپنائیت کا احساس دلاتے ہوئے احسان جاوید۔" بیٹا! ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن ہم نے تو اس کی شادی بازف کے ساتھ Fix کی ہے۔ اس نے دو ماہ کا وقت مانگا تھا۔"

خوشی سے توصیف۔" مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اگر عائشہ کو نہیں ہے۔"

اس کی طرف دیکھتے ہوئے عائشہ۔" بھائی میں تمہارے بغیر شادی نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے منصوبہ بنایا تھا جب تم پاکستان کیمپ لگانے آؤ گے میں تم سے ملوں گی۔"

حیرت سے توصیف۔" عائشہ تمہیں کیسے پتہ چلا۔ میں پاکستان آؤں گا۔"

جلدی سے شامیہ۔" فیس بک پر آپ کی آئی ڈی روز کھول کر دیکھتی ہیں۔ لوگوں کے آپ کے بارے میں دیئے گئے comments پڑھتی ہیں۔ آپ کی باتیں کرتی رہتی ہیں لیکن صرف مجھ سے اور برید سے کیونکہ ہم سے دوستی ہے۔"

کھانا کھانے کے بعد وہ جانے لگا تھا تو احسان جاوید اور نفیسہ بیگم۔ ''ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے۔''

شرارت سے شامیہ۔ ''جناب! آپ کے لیے کمرہ بھی صاف کروایا گیا ہے۔''

یوں سب کے اصرار کرنے پر وہ وہاں رہ گیا تھا۔ کیونکہ محبت سے بڑی پاؤں کی کوئی زنجیر نہیں ہوتی۔

سارے اپنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے تو عائشہ اور توصیف، توصیف کے کمرے میں چلے گئے تھے۔ دونوں باتیں کررہے تھے۔ عائشہ نے اسے اس رات کا قصہ سنایا اور بتایا کہ کن کن لوگوں نے اس کی مدد کی۔ بتاتے بتاتے عائشہ اور توصیف کا چہرہ آنسوؤں میں بھیگ گیا۔

صبح میں جب توصیف کیمپ کے لیے چلا گیا تھا تو عائشہ کے کمرے میں جا کر دکھی انداز میں بازف۔ ''یعنی ہماری حیثیت تمہاری نظروں میں کچھ بھی نہیں کوئی بات نہیں۔ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ تم ہمارے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی ہو۔ مطلب محبت سے نہیں تو پھر کوئی بات نہیں۔''

احسان جاوید اور نفیسہ بیگم بہت خوش تھے کہ عائشہ بہت اچھے گھرانے کی لڑکی ہے۔

توصیف اور عائشہ کی بہت تعریف کرتے ہوئے نفیسہ بیگم۔

''سچ میں عظیم والدین کے بچے بھی عظیم ہوتے ہیں۔''

حقیقت میں تو آج شفیق احمد کے نظریات جیت گئے تھے۔ عائشہ اور توصیف احمد کے کردار کی صورت میں۔ اس کی قربانی رنگ لے آئی تھی۔ اختر نواز ہار گیا تھا۔ لیکن ابھی دنیا کی نظر میں بھی ہار باقی تھی۔ انسان کو اس وقت یقین آتا ہے جب سب کو دکھائی دے۔

کیمپ میں توصیف احمد احسان جاوید کے گھر سے جانے لگا تھا۔ اور شام کو بھی واپس آجاتا تھا۔ اس کا ان کی فیملی کے ساتھ اچھا وقت گزر رہا تھا۔ اتنے سالوں بعد اس کو فیملی کا احساس ہو رہا تھا وہ بہت خوش تھا۔ خاص طور پر برید اور شامیہ تو اس کو بہت خوش رکھتے تھے۔ تینوں مل کر لڈو کھیلتے اور بیڈ منٹن۔

رات میں عائشہ توصیف کے کمرے میں جا کر اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کر رہی تھی۔

باتوں باتوں میں۔

''تمہیں شامیہ کیسی لگی۔''

لاپرواہی سے توصیف۔ ''اچھی ہے مگر کیوں۔''

''اگر میں اسے تمہارے لیے مانگ لوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا۔''

اس کا ہاتھ پکڑ کر توصیف۔ ''میری پاگل بہن، اگر ان کو برا لگ گیا تو۔''

''ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ بلکہ خوش ہوں گے۔''

سر ہلا کر۔ ''جیسے تمہاری مرضی۔''

وہ شامیہ کے کمرے میں جا رہی تھی تو راستے میں بازف مل گیا۔

''اگر آپ کو برا نہ لگے تو ایک کپ چائے بھیج دو۔'' اس کے لہجے میں دکھ تھا جو عائشہ نے بھی محسوس کیا۔

''کیوں نہیں۔ مجھے کیوں برا لگے گا۔''

''تو بھیج دو۔''

''آپ جائیں...... میں لاتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

اس نے چائے بنائی پھر چائے لے کر شامیہ کے کمرے میں گئی وہاں سے اس کے ساتھ بازف کے کمرے میں دونوں گئیں۔

''یہ آپ کی چائے۔''

لیتے ہوئے۔ ''شکریہ!''

سر سے پاؤں تک ایک نظر عائشہ کو دیکھا۔ لیکن کوئی بات نہیں کی۔

دونوں شامیہ کے کمرے میں چلی گئیں۔ عائشہ شامیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر۔

''میری بھابی بنو گی۔''

ہاتھ چھڑواتے ہوئے۔ ''شاید! آپ مجھے اپنے بھائی کے سر پر احسان کے بدلے سوار کرنا چاہتی ہیں۔''

''نہیں تم نے یہ کیسے سوچ لیا۔ اسے تم اچھی لگی ہو۔ اگر تمہیں اعتراض ہے تو میں منع کر دیتی ہوں۔''

یہ کہتے ہی وہ اٹھ کر جانے لگی تھی تو شامیہ۔ ''نہیں نہیں مجھے بھی اچھے لگے ہیں۔''

یہ جاننے کے باوجود کہ ان کو توصیف پسند ہے پھر بھی ڈرتے ڈرتے اس نے دروازے پر دستک دی۔

نفیسہ بیگم۔ ''آ جاؤ۔''

اس کو دیکھ کر۔ ''اس وقت خیریت تو ہے۔ آؤ بیٹھو۔''

''آنٹی آپ سے بات کرنی تھی۔''

''کیا بات ہے کرو۔''

دھیمے پن کے ساتھ۔ ''آنٹی آپ میرے بھائی کے ساتھ شامیہ کی شادی کرنا چاہیں گی۔''

ہنستے ہوئے احسان جاوید۔ ''اتنی ڈر کر کیوں کہہ رہی ہو۔ ہمیں تو وہ پہلے سے ہی پسند ہے تمہیں تو پتہ ہے۔''

''لیکن میں سمجھی میرا بھائی ہونے کی وجہ سے شاید نہ کہہ دیں۔''

خوشی سے احسان جاوید۔ ''بلکہ اب تمہارا بھائی ہونے کی وجہ سے چھان بین کیے بغیر ہاں کہہ دیتے ہیں۔''

خوش ہو کر نفیسہ بیگم کے گلے لگ کر۔ ''شکریہ آنٹی۔''

☆......☆......☆

جب کوئی کسی دوسرے پر ظلم کر رہا ہوتا ہے تو اس کو لگتا ہے وقت سدا اُس کے ساتھ ہی رہنا ہے۔ چاہے آپ کے پاس دولت کے انبار یا طاقت جتنی بھی ہو۔ خدا انسان کو جھکا کر اس کو اس کی حیثیت کا احساس ضرور دلاتا ہے۔ یہ اور بات ہے بعض اوقات انسان کو لگتا ہے۔ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا۔ جو کچھ اس نے اپنے پاس جمع کر رکھا ہے وہ کبھی ختم ہونے والا کہاں۔ زندگی صرف یہ ہی ہے عیش سے گزاروں اور جب چاہوں جس کو چاہوں پاؤں میں روندتے جاؤ۔ انسان وقتی طور پر کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ کامیابی عارضی ہوتی ہے۔

اختر نواز کو بھی وقت نے گھما کر اس کو اس کی حیثیت کا احساس دلایا کہ وہ کیا ہے؟ اور خود کو کیا سمجھتا تھا؟ حقیقت میں تو وہ کچھ بھی نہیں۔

اس کے دل کے مرض نے اس کو ناکارہ کر دیا تھا۔ نہ تو وہ چکنائی والی چیزیں کھا سکتا تھا اور نہ زیادہ بھاگ دوڑ سکتا تھا۔

اپنے علاج کے لیے وہ ڈاکٹر عمران کے پاس پرائیویٹ چیک اپ کروانے گیا تھا اس کی رپورٹ دیکھ کر۔ ''اختر نواز صاحب! اب آپ کو دیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ اگلا attack

آپ کی جان لے سکتا ہے۔آپ کو cardic catherization کروانی ہوگی۔"

تجسّس کے ساتھ اختر نواز۔"ڈاکٹر صاحب، اس میں کیا ہوتا ہے۔"

"یہ ایک قسم کی angio graphy ہے۔اس میں آپ کی بند arteries کو کھولنے کے لیے ایک cathetherballoon tipped آپ کی artery میں ڈالا جاتا ہے وہ plague کو صاف کر دیتا ہے"

رسی جل جاتی ہے مگر بل نہیں جاتے بڑی شیخی مارتے ہوئے اختر نواز۔

"پیسوں کی کوئی پرواہ نہیں بس آپ اس کے لیے appointment دے دیں۔"

"پیسوں سے صرف علاج نہیں ہوتا کچھ اور بھی چاہیے ہوتا ہے۔امریکہ کے ڈاکٹر توصیف احمد آج کل پاکستان آئے ہوئے ہیں۔اگر وہ کرتے ہیں تو results بہت اچھے آئیں گے۔وہاں کے بہت مشہور ہیں لوگ ان سے appointment لینے کے لیے مہینوں انتظار کرتے ہیں۔آج کل انہوں نے یہاں کیمپ لگایا ہوا ہے۔جہاں سب امیر غریب کو برابری کے طور Treat کر رہے ہیں۔"

چونکہ اختر نواز کو خود پر بڑا غرور تھا۔کیمپ میں جا کر چیک اپ کروانا اس کی توہین تھی فٹ سے۔"ان کا پرائیویٹ کوئی کلینک ہے تو بتا دیں۔"

"نہیں ایسا ممکن نہیں وہ پیسوں کے لیے یہاں علاج نہیں کرتے اور نہ ہی پرائیویٹ چیک کرتے ہیں۔اگر ان سے علاج کروانا ہے تو وہاں جا کر ہی چیک اپ کروانا ہوگا۔"

"اگر آپ سفارش کر دیں تو پھر بھی نہیں چیک اپ کریں گے۔"

اس کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے ڈاکٹر عمران......"ہم تو اس بات پر ہی خوش ہیں کہ وہ ہماری دعوت پر پاکستان آئے ہیں۔دوسری بات آپ کی condition بہت

serious ہے وہ تجربہ کار اور بہت قابل ہیں آپ کو risk نہیں لینا چاہیے۔"

وہ سوچ میں پڑ گیا تھا کیونکہ ڈاکٹر عمران کسی عام نہیں امریکہ کے ڈاکٹر کی بات کر رہے تھے۔ ہم تو امریکہ کے کتے کو بھی ساتھ سلاتے ہیں تو پھر یہاں کا بڑے سے بڑا ڈاکٹر امریکہ کا کہاں مقابلہ کرسکتا تھا۔

"تو پھر وہ کب ملیں گے؟"

"کل صبح نو بجے سے شام چھ بجے تک۔ آج تو آپریشن کر رہے ہیں۔"

"چلو! ہم کل آئیں گے۔"

ابھی اختر نواز گھر پہنچا ہی تھا تو اس کا نوکر بھاگا بھاگا آیا۔

"جناب! آپ کا چچازاد بھائی سلمان نواز دل کا دورہ پڑنے سے وفات پا گیا ہے۔"

یہ الفاظ سننے تھے کہ اختر نواز کے ہوش اُڑ گئے۔ کیونکہ ایسے لوگ کبھی مرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ انہوں نے آگے کچھ نہیں بھیجا ہوتا۔

اگلی صبح نو بجے ہی اختر نواز کیمپ پہنچ گیا کیونکہ رات چچازاد بھائی کی موت سے ڈر گیا تھا۔ ویسے بھی اختر نواز جیسوں کو تو بہت زیادہ زندگی سے پیار ہوتا ہے۔

دنیا بڑی چھوٹی ہے۔ وقت گھوم پھر کر آپ کو ان کے سامنے لے جاتا ہے جن کو آپ دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔ اس کو تو خبر بھی نہیں تھی کہ آج اس کا سامنا کس سے ہوگا جس کے باپ کا وہ قاتل ہے۔ جیسے ہی وہ اندر گیا تو ایک دم اختر نواز کے تو ہوش اڑ گئے تھے۔ پاؤں کے نیچے زمین بھی نہیں رہی۔ اس کو دیکھ کر ہوش تو، توصیف احمد کے بھی کہاں رہے تھے۔ دشمن اس کے در پر وہ بھی مجبور اور لاچار۔

باپ اصول پسند تھا تو بیٹے کو تو ہونا ہی تھا۔ کیونکہ جو والدین بچوں کو سکھاتے ہیں اولاد وہی

کچھ کرتی ہے۔اس نے اختر نواز کو بٹھایا اس کی رپورٹ دیکھی۔اختر نواز تو سانسیں روکے اس کو دیکھ رہا تھا۔پھر سوچنے لگا۔"جب میرے در پر میرا دشمن آئے تو میں کیا کرتا ہوں۔مکاری سے اس کو وہاں مارتا ہوں جہاں پانی بھی نہ ہو اور خود کو سمجھتا ہوں میں طاقت ور ہوں اس کو تو آنا ہی تھا۔"

اس کو چیک کرتے ہوئے توصیف کا جسم غصے سے کانپ رہا تھا کیونکہ وہ اپنے غصے کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہا تھا جو ابل ابل کر باہر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔رپورٹ کا معائنہ کر کے توصیف احمد۔"آپ کی condition بہت serious ہے آپ کو cardic catheterization جلدی کروانی ہو گی ورنہ آپ کی جان خطرے میں ہے۔"

اسے بھی اپنی حالت کا اندازہ تھا اس لیے آیا تو تھا لیکن اس کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ ہو گا۔اب سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

"اس لیے تو آپ کے پاس آئے ہیں۔لیکن آپ کو دیکھ کر لگتا ہے کہ آپ نہیں کر پائیں گے یا مجھے خود ہی مار دیں گے۔وہاں آپ کے لیے کیا مشکل ہے۔"

وہ اٹھ کر جانے لگا تھا توصیف احمد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ساڈے ہتھ پیالہ زہر دا اساں ویلے دے سقراط۔تمہیں میرے خود پر کنٹرول سا نہیں لگا۔ہم خود زہر پی لیں گے لیکن اصول نہیں توڑیں گے۔کل آجانا پہلا آپریشن تمہارا ہی کروں گا۔"

گھر جا کر سب کے ساتھ رات کو کھانا کھاتے ہوئے توصیف احمد بہت پریشان لگ رہا تھا۔اس کی پریشانی کو دیکھتے ہوئے احسان جاوید۔"یار توصیف!کیا ہوا؟"

آہ بھرتے ہوئے توصیف احمد۔"دشمن سامنے آ گیا ہے۔وہ بھی اس حالت میں کہ مر رہا ہے لیکن میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اس کو مرنے نہیں دینا۔"

اس کو دیکھتے ہوئے عائشہ۔ ''کیا تمہیں اختر نواز مل گیا ہے۔''

اس کو دیکھتے ہوئے بازف۔ ''پھر تو تم خود سے لڑ رہے ہو یعنی آج تمہیں تنگ نہیں کرنا چاہیے۔''

اس کے ظرف کو دیکھنے کے لیے نفیسہ بیگم۔ ''کیا تم معاف کرنا نہیں چاہتے تھے جذبات میں آ کر فیصلہ کیا ہے۔''

غصے سے برید۔ ''ماما یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ ظاہر ہے جذبات میں ہی فیصلہ کر بیٹھے ہوں گے۔''

''نہیں آنٹی، زخمی حالت میں آیا ہے۔ اس کو بچانے کا فیصلہ تو جذباتی نہیں۔ ہاں! کاش ٹھیک حالت میں ہوتا تو پھر بدلہ ضرور لیتا۔ اب ہرگز نہیں۔''

اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے احسان جاوید۔ ''شاباش بیٹا، اچھے اصول ہیں۔ بدلہ تو برابری کی بنیاد پر ہی لیا جاتا ہے۔ در پر آنے والوں سے نہیں۔ یہ کم ظرفی ہوتی ہے۔''

وہ باتیں کر رہے تھے لیکن عائشہ تو اس رات میں کھوئی ہوئی تھی اور اس کو باپ کی ٹوٹی ہوئی سانسیں یاد آ رہی تھیں روتے ہوئے۔ ''شکر ہے وہ میرے سامنے نہیں آیا۔ میں شاید معاف نہ کر پاتی۔''

اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے توصیف احمد۔ ''تم بھی یہی کرتی۔''

ان کی توجہ ہٹانے اور ماحول کو پرسکون بنانے کے لیے نفیسہ بیگم۔ ''تو پھر اتوار کو تمہاری اور شامیہ کی منگنی کر دیتے ہیں۔ عائشہ کی شادی تو دو ماہ بعد کریں گے۔ جب عائشہ کہے گی۔''

توجہ ہٹاتے ہوئے توصیف۔ ''آنٹی جیسے آپ کو بہتر لگے وہی ٹھیک ہے۔''

پورا خاندان بڑی مضبوط قوتِ ارادیت کا مالک تھا۔ توصیف احمد خود سے لڑنے کی بجائے

آرام سکون سے سو گیا۔

خود سے بستر پر لیٹے ہوئے اختر نواز۔ ”تم پاگل ہو گئے ہو جو دشمن کے ہاتھوں زندگی کے خواب دیکھ رہے ہو۔“ خود کو جھٹکتے ہوئے۔ ”نہیں وہ اس باپ کا بیٹا ہے جس نے زہر کا پیالہ تو پیا لیکن اصول نہیں توڑے۔ اس لیے بے فکر ہو کر جاؤ۔ جان کی بازی لگا دے گا لیکن اصول نہیں توڑے گا۔“ پھر خود سے۔ ”ٹھیک ہے تمہارے پاس تو پیسہ ہے کہیں اور سے آپریشن کروا لو۔“ پھر خود سے۔ ”امریکہ کا ڈاکٹر ہے۔ دوسرا اصول پسند...... سنا نہیں اصول پسند دشمن بے اصول دوست سے بہتر ہوتا ہے۔ اب آرام کی نیند سو جا۔“

صبح اُٹھ کر نماز پڑھی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر اپنے رب سے دعا کرنے لگا۔ ”اے میرے پروردگار! مجھے اس امتحان میں کامیاب فرما۔ مجھ پر میری بساط سے زیادہ بوجھ نہ ڈال۔“

آپریشن کے دوران شیطان توصیف احمد پر حملہ کر رہا تھا۔

”دشمن سے بدلہ لینے کا بہترین موقع ہے۔ ویسے بھی کسی کو شک بھی نہیں ہونا۔“

وہ خود کو جھٹک کر آپریشن کا ارادہ کرنے لگا تو اس کو اپنے باپ کی نصیحت یاد آئی۔ ”بیٹا زندگی میں ایسے بہت سے مواقع آئیں گے کہ غلط اور صحیح کے درمیان فرق کرنا مشکل ہو گا تو اس وقت صرف اس بات کی کوشش کرنا کہ مر کر زندہ ہو جاؤ۔“

اس بات کو یاد کرتے ہوئے توصیف احمد بہادر ہو گیا۔ اس نے بڑے دل سے آپریشن شروع کر دیا حالانکہ اختر نواز کی **arteries** میں **plague** زیادہ تھا۔ آپریشن بھی بہت لمبا چلا۔ جب آپریشن ختم ہوا تو توصیف احمد۔ ”اے میرے رب! تیرا شکر ہے تو نے کامیاب فرمایا کمزور نہیں پڑنے دیا۔“

آپریشن کے بعد اختر نواز کو کمرے میں بھیج دیا گیا۔ جیسے ہی وہ گھر داخل ہوا۔ اس کو دیکھ کر

نفیسہ بیگم۔ ”پرسکون انداز بتاتا ہے میرا بیٹا کامیاب رہا۔“
مسکرا کر توصیف۔ ”جی آنٹی۔“
”شکر ہے جاؤ fresh ہو کر آؤ پھر بات کرتے ہیں۔“
”ٹھیک ہے آنٹی۔“
وضو کر کے دو نفل پڑھ کر ہاتھ اٹھا کر اختر نواز کے لیے خصوصی دعا کرتے ہوئے۔ ”اے میرے پروردگار! تو ہی عزت رکھنے والا ہے۔ میری بھی عزت رکھنا۔“
آج کا دن عائشہ نے بھی مشکل سے گزارا تھا۔ کیونکہ یہ دن اس کے خاندان کا امتحان تھا بلکہ یوں کہو اصولوں کا امتحان تھا۔ وہ بے تابی سے توصیف احمد کا انتظار کر رہی تھی۔ جب وہ آیا تو وہ توصیف احمد کے کمرے میں جا رہی تھی۔ تو بازف ارحم سے ڈرائنگ روم میں بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔
”مجھے وہ اچھی لگتی ہے اس کے code of life جن سے کردار بنتا ہے زندگی میں ہم آہنگی پیدا ہوتی ہے۔ میں نے بھی ان پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ صرف اس سے محبت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے زندگی کے اصولوں کی وجہ سے۔“
حیرت سے ارحم۔ ”کیا ہے code of life“
وضاحت کرتے ہوئے۔ ”آپ کی limitation یعنی آپ کی حدود جن کے اندر رہ کر آپ نے زندگی گزارنی ہے۔ کوئی بھی چیز ہو یا کسی بھی ملک کے آپ شہری ہوں، اس کے اصول و قواعد کے مطابق آپ زندگی گزارتے ہو۔ اسی طرح آپ کو اپنے code of life ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصولوں کے مطابق خود بنانے ہوتے ہیں۔ نہ تو آپ خود ان سے آگے جاتے ہو اور نہ دوسرے کو آنے دیتے ہو۔ میں اس کا ہاتھ

پکڑ لیتا تھا جو اس کو بہت برا لگتا تھا۔تم تو جانتے ہو۔ ہماری سوسائٹی میں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔اس نے احساس دلایا یہ غلط ہے۔عورت اور مرد کے درمیان فاصلہ ہی بہتر ہوتا ہے۔ عورت اور مرد کو اپنی حدود میں رہ کر زندگی گزارنی چاہیے۔اس دن کے بعد میں نے اس کا ہاتھ نہیں پکڑا۔اس کے اور اپنے درمیان فاصلہ رکھتا ہوں۔وہ مجھے اپنے ان خوبصورت اصولوں کے ساتھ قبول ہے۔"

ان کی باتیں سن کر وہ خوش ہوگئی۔کمرے میں جاتے ہی، "کیسا رہا اختر نواز کا آپریشن۔"

"اللہ کے کرم سے آپریشن کامیاب رہا۔"

اس کو دیکھ کر توصیف۔ "تم کیوں اتنی خوش ہو؟"

ظاہر ہے بھائی سے تھوڑی یہ بات کرسکتی تھی۔چھپا کر۔ "آپ کی کامیابی کی وجہ سے۔"

جاتے جاتے ارحم۔ "خدا کرے تم اس طرح ہی خوش رہو۔سچ میں عائشہ تمہیں انعام میں ملی ہے۔جس نے تمہاری سوچ اور سوچنے کا انداز بدل دیا ہے۔"

بھائی سے ملنے کے بعد شامیہ کے کمرے میں جا کر عائشہ سیدھا اس کے گلے لگ گئی۔

حیرت زدہ ہوتے ہوئے شامیہ۔ "خیریت تو ہے۔"

"آج میری کسک بھی ختم ہوگئی۔میں بہت خوش ہوں میں نے بازف کو دل سے قبول کرلیا ہے۔"

ظاہر ہے وہ بہن تھی اپنے بارے میں سوچ کر۔ "میرے بھائی کو بھی بتادو تاکہ وہ بھی خوش ہوجائیں۔"

حزن وملال کے انداز میں۔ "یہ مشکل ہے میں نہیں کرسکتی تم کردینا۔ورنہ وہ خود ہی سمجھ جائے گا۔"

اگلے دن جا کر توصیف احمد اختر نواز سے ملا۔ وہ ہوش میں آچکا تھا۔ اس کا ممنون ہوتے ہوئے اختر نواز۔

''تم نے مجھ پر احسان کیا ہے ہمارے گھر آئیں۔ ہمیں بھی خدمت کا موقع دیں۔''

''شکریہ! اس کی ضرورت نہیں وہاں میرا ابھی گھر ہے جو میرے باپ نے میرے لیے بیچا تھا۔ اب میں نے واپس خرید لیا ہے۔ بس اتنا خیال کرنا کہ عائشہ کے سامنے نہ آنا کیونکہ وہ رات نہیں بھولی۔ میں اس کو تکلیف دینا نہیں چاہتا۔''

جب آپ کے پاس وقت کی طاقت ہوتی ہے۔ تو لوگ کیسے کیسے بدلتے ہیں۔ آپ گمان بھی نہیں کر سکتے۔ اپنے آپ کو بدلا ہوا ظاہر کرنے کے لیے اختر نواز۔ ''عائشہ میری چھوٹی بہن ہے۔ میں اس کو کوئی تکلیف دینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔''

اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر توصیف احمد۔ ''سوچنا بھی نہیں، اس کا بھائی اب طاقتور ہے۔ جان دینا بھی جانتا ہے اور لینا بھی۔''

شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے۔ ''آپ فکر ہی نہ کریں۔''

اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر توصیف احمد۔ ''اب فکر کیسی...... وقت میرے ہاتھ میں ہے۔''

☆......☆......☆

گھر میں سب توصیف اور شامیہ کی منگنی کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ شامیہ گھر میں اکیلی تھی۔ توصیف احمد ہسپتال سے آیا تو پروین سے چائے کا کہا تو وہاں شامیہ آگئی۔

''آپ اوپر جائیں میں آپ کے لیے بنا کر لاتی ہوں۔''

اس کو دیکھتے ہوئے۔ ''آپ کو بنانی آتی ہے۔''

”عائشہ آپی نے سکھائی ہے۔“
مسکرا کر اس کو دیکھ کر کمرے میں چلا گیا......شامیہ نے چائے بنائی اور اس کے کمرے میں لے گئی۔
چائے لیتے ہوئے توصیف۔”آپ نے کیوں تکلف کیا پروین کو بھیج دیتی۔“
وہ جانے لگی تھی تو توصیف احمد۔”آپ سے ایک بات کچھ دنوں سے پوچھنا چاہ رہا تھا۔“
اس کی طرف دیکھتے ہوئے۔”آپ پوچھیں۔“
وہ جو بڑے بڑے لیکچر آسانی سے دے دیتا تھا۔بڑے سے بڑا آپریشن آسانی سے کر لیتا تھا۔ہچکچاتے ہوئے۔”آپ کو مجھ سے شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں۔اگر ایسی بات ہے تو آپ کہہ دیں میں برا نہیں مناؤں گا۔“
ہنستے ہوئے”اعتراض تو ہے ایک۔“
اس کی سانس رک گئی۔آہستہ سے۔”وہ کیا؟“
”آپ نے اتنی دیر سے کیوں پوچھا۔ویسے کوئی نہیں۔“
سانس لیتے ہوئے توصیف۔”آپ نے تو میری جان ہی نکال دی تھی۔“
منہ بناتے ہوئے۔”اچھا تو میں آپ کی جان بھی نکال سکتی ہوں۔“
”جی ہاں!میں نے آپ کو دل سے قبول کیا ہے۔“
”آپ پریشان نہ ہوں میں نے بھی۔“
وہ تینوں جانے لگے تھے تو عائشہ۔
”میں بھی ساتھ جاؤں گی۔“
”میں تمہیں ساتھ لے کر نہیں جاؤں گا۔تم اختر نواز کو دیکھو گی تو تکلیف ہو گی۔میں تمہاری

تکلیف نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں تمہاری بہن ہوں۔ بہت برداشت ہے مجھ میں۔" وہ توصیف، برید اور بازف کے ساتھ اپنے محلے گئی۔ اختر نواز نے ان کا بڑا اچھا استقبال کیا۔ ان کے گھر کی گلی کو پھولوں سے سجایا ہوا تھا۔ جب وہ گاڑی سے اُتر کر گھر کے دروازے تک پہنچے تھے تو اختر نواز نے اپنے ہاتھ سے خود ان کو چابیاں پیش کیں۔

اس وقت عائشہ کو وہ رات یاد آ رہی تھی۔ اس لان کا ایک ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے آ رہا تھا۔ وہ کیسے بھاگی تھی۔ اس شخص کی وجہ سے آج وہی ان کا استقبال کر رہا تھا۔ وہ ہی نکالنے والا تھا اب جو استقبال کر رہا تھا۔

وہاں پر عمیر، عالیہ بیگم اور آمنہ بھی تھی۔ عائشہ آمنہ کے گلے محبت سے لگی جیسے دو سہیلیاں صدیوں بعد ملی ہوں۔ اسے پیار کرتے ہوئے آمنہ۔ "حور تم تو جیت بھی گئی ہو۔"

اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے۔ "تمہاری مدد کی وجہ سے۔"

برید اور بازف کو دیکھ۔ "ان میں سے تمہارے والا کون سا ہے؟"

ہنستے ہوئے۔ "ان میں سے کوئی نہیں بھی ہو سکتا ہے۔ ویسے براؤن شرٹ والا۔"

اس کے ہاتھ پیار سے دباتے ہوئے آمنہ۔ "اتنے سالوں بعد اس کے ساتھ ہی واپس آ سکتی ہو۔"

وہ اندر گئی تو عالیہ بیگم نے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے دعا دی۔ "سدا خوش رہو۔"

وہ آمنہ کے ساتھ گھر کے ہر کمرے میں گئی۔ اختر نواز نے گھر کی ہر چیز صاف کروا کر سلیقے سے رکھوائی ہوئی تھی۔ اس قدر گھر کو صاف کروایا تھا کہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہاں لوگ آباد ہو۔

”اختر نواز نے کروایا ہے۔کافی بدل گیا ہے۔عمر بتا رہا تھا۔“
ہنستے ہوئے عائشہ۔”چور چوری سے تو جا سکتا ہے لیکن عادت نہیں بدل سکتا۔“
اس کو اس کے بھائی کی محبت بتاتے ہوئے آمنہ۔”اتنے سال میں تمہارے بھائی نے اس گھر کا دروازہ بند نہیں کرنے دیا کہ کہیں تم بند دروازہ دیکھ کر واپس نہ چلی جاؤ۔اب اس نے گھر خریدا ہے پہلے تو اس کا ڈبل کرایہ دیتا رہا ہے۔“
محبت میں عائشہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔انہیں کے گھر پر اختر نواز کی ملازمہ نے چائے بنائی اور ان کو پیش کی۔چائے کے بعد چاروں واپس احسان جاوید کے گھر آ گئے۔
سب لاؤنج میں بیٹھے تھے تو توصیف احمد۔
”احسان صاحب! مجھے عائشہ کی شادی کر کے ہی واپس جانا ہے۔ جب شامیہ کے کاغذات بن جائیں گے تو میں آکر شادی کر کے لے جاؤں گا۔“
اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے احسان جاوید۔”ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں۔بس تم عائشہ سے پوچھ لو۔کیوں بیگم۔“
اس سے پہلے نفیسہ بیگم بولتی۔جھٹ سے شامیہ۔”اب اس کو بھی کوئی اعتراض نہیں۔“
اس کو بے وقوف بچی سمجھ کر نفیسہ بیگم۔
”ایک مرتبہ اس سے پوچھ لیتے ہیں۔تم اس کو بلا کر لاؤ۔“
وہ جا کر اس کو بلا کر لے آئی۔اس کو اپنے پاس بٹھا کر توصیف پیار سے۔”اب تمہیں تو شادی پر کوئی اعتراض تو نہیں۔“پاس سے احسان جاوید۔”جیسا تم چاہو گی ویسا ہی ہو گا۔“
نیچے منہ کر کے عائشہ۔”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“
شرما کر بھاگ کر وہ چلی گئی۔اس کے جاتے ہی بریدہ۔

”سب کی شادی کروا رہے ہیں کوئی میرے بارے میں بھی سوچ لے یا میں خود سوچوں تو سوچوں۔“

ہنستے ہوئے احسان جاوید۔ ”تم بھی بتادو ہم تمہاری بھی کردیتے ہیں۔“

”ماما کی پسند سے کروں گا۔“

خوشی سے نفیسہ بیگم۔ ”تم فکر ہی نہ کرو شامیہ کے ساتھ تمہاری بھی شادی کروادوں گی۔“

اگرچہ اختر نواز بہت بدل گیا تھا۔ لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں اپنی خصلت دکھا ہی دیتا تھا۔ لوگوں کو پتہ چل گیا تھا کہ اس کے مقابلے کا بندہ پیدا ہو گیا ہے۔ اگر وہ کسی کے ساتھ زیادتی کرے گا تو وہ سیدھے توصیف احمد کے پاس جائیں گے۔ ان کو اب برداشت کرنے کی ضرورت نہیں۔ اب اس جنگل میں دوسرا شیر توصیف احمد پیدا ہو گیا۔

خود پر پتھر رکھ کر بازف۔ ”عائشہ کے دل کا حال بھی جانا جائے۔ یہ تو سچ ہے وہ شادی تو مرضی سے کر رہی ہے۔ کیا اس کے دل میں میرے لیے جگہ بھی ہے یا نہیں۔“

پھر خود کو جواب دیتے ہوئے۔ ”اگر نہ ہو تو کیا اس کو چھوڑ دو گے۔ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔“

”ہاں چھوڑ دوں گا۔“

اس نے عائشہ کو فون کیا۔

ایک ہی سانس میں۔ ”نیچے لان میں پھول رکھوں گا۔ تم دس منٹ کے بعد اٹھا لینا لیکن ایک شرط پر اگر دل چاہے ورنہ نہیں۔ ایک اور بات پھول کو دیکھے بغیر کوئی فیصلہ مت کرنا۔“

بات پوری کر کے بازف نے ساتھ ہی فون بند کر دیا۔ عائشہ کی بات نہیں سنی۔

اس نے جا کر لان سے پھول توڑ کر وہاں پر رکھ دیا اور خود پھولوں کے پیچھے چھپ گیا۔ اور

سوچنے لگا۔''اگر وہ نہ آئی تو۔''

ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ عائشہ بغیر سانس لیے یعنی اوپر کا سانس اوپر تھا اور نیچے کا نیچے بھاگی بھاگی آئی۔بغیر ادھر اُدھر دیکھے پھول اٹھالیا۔

اس کا پھول اٹھانا تھا کہ بازف اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔خوشی سے اس کا چہرہ چمک رہا تھا۔وہ جانے لگی تھی تو اس کے آگے ہو گیا۔وہ دوسری طرف سے جانے لگی تو دوسری طرف اس کے سامنے آگیا۔

اس کو دیکھے بغیر۔''پلیز مجھے جانے دو کوئی آجائے گا۔''

وہ پیار بھری نظروں سے اس کو دیکھ رہا تھا جو آج اس کو کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہی تھی۔

''پھول اٹھاتے ہوئے تو ادھر اُدھر نہیں دیکھا۔''

اس کو زور سے دھکیل کر بھاگتے ہوئے۔

''مجھے لگا اگر پھول نہ اٹھایا تو آپ چھوڑ کر چلے ہی نہ جائیں۔''

یہ کہہ کر وہ بھاگ گئی۔لیکن وہ کھڑا مسکراتا رہا تھا۔

گھر میں شادی کی تیاریاں بڑے زور وشور سے جاری تھیں۔اس ہلچل نے بازف کے اندر کے شریر لڑکے کو ہوا دی۔دوسرا اسے عائشہ کی کمزوری کا پتہ چل گیا تھا۔

ان دنوں میں تو لڑکا لڑکی کے دل ایک دوسرے کے لیے کچھ زیادہ ہی جذبات سے بھرے ہوتے ہیں۔بازف کا بھی دل چاہتا تھا کہ وہ بس عائشہ کو دیکھتا ہی رہے۔اس کو تنگ کرنے کے لیے اس نے فون کیا۔

''جلدی سے میرے کمرے میں آؤ۔''

''میں نہیں آسکتی۔''

"چلو! کوئی بات نہیں۔ پروین کو آواز دے کر کہتا ہوں۔ میری بیگم کو چائے لانے کو کہو۔"

"نہیں ایسا مت کرنا۔"

"کیا تم پروین سے ڈرتی ہو۔" ہنستے ہوئے بازف۔

"ڈرتی ورتی نہیں لیکن شاید! آپ بے وقوف ہیں۔"

"چلو! کوئی بات نہیں مجھے بے وقوف ہی رہنے دو۔ پروین کو آواز دیتا ہوں۔"

اس کو چڑاتے ہوئے بازف۔

پروین......ابھی منہ سے ہی پورا نکلا ہی نہیں تھا تو عائشہ۔

"اس کو مت بلاؤ چائے بنا کر بھیجتی ہوں۔"

"بھیجنی نہیں خود آنا ہے۔"

"لیکن کیسے؟"

"تم دس منٹ تک نہ آئی۔ تو پروین آجائے گی۔"

جیسے ہی اس نے فون رکھا وہ بھاگ کر شامیہ کے کمرے میں گئی۔ اس کو ساری صورتحال بتائی۔ دونوں کچن میں گئیں۔ چائے بنائی۔ اس کے کمرے کی طرف چل دیں۔ راستے میں عائشہ۔"شامیہ تم باہر رہنا۔ اس کو پتہ نہ چلے تم میرے ساتھ ہو ورنہ کوئی نئی فرمائش نہ کر دے۔"

وہ چائے لے کر اندر گئی۔ میز پر چائے کا کپ رکھتے ہوئے۔"اب آپ کی ضد پوری ہو گئی اور کوئی فرمائش نہیں۔"

اس کو سحر انگیز انداز میں دیکھتے ہوئے۔ "بیٹھ تو جاؤ۔ دل بھر کے دیکھنے دو۔ یہ وقت دوبارہ نہیں آئے گا۔"

وہ اس کی باتیں سن ان سنی کر کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی کہ وہ جھٹ سے بولا۔

”مجھے پتہ ہے شامیہ باہر کھڑی پہرا دے رہی ہے۔ تمہاری باڈی گارڈ ہے۔ بھلا تم اکیلی کیسے آ سکتی ہو۔“

خود کو ٹھیک کرتے ہوئے عائشہ۔ ”نہیں......نہیں میں اکیلی ہی آئی ہوں۔“

”جھوٹ مت بولو۔ صاف منہ پر لکھا ہے۔“

”اپنے جھوٹ کو چھپاتے ہوئے۔“ اگر آئی بھی ہے تو کون سی قیامت آ گئی ہے۔“

اس کی نگاہوں کی تاب نہ لاتے ہوئے۔

”ایسے مت دیکھا کریں۔ میری روح تک محسوس کرتی ہے۔“

”میں تو شادی کے بعد بھی ایسے ہی دیکھوں گا۔“

شرما کر ”مجھے نہیں پتہ۔“ اور بھاگ گئی۔

پیچھے سے آواز دیتے ہوئے۔ ”سنو......کیا ہوا؟......“

بڑی دھوم دھام سے شادی کی گئی تھی۔ ان کے نکاح کے بعد توصیف نے بھی شامیہ کو سٹیج پر انگوٹھی پہنائی۔ دلہن کو لا کر بازف کے کمرے میں بٹھایا۔ نفیسہ بیگم اور احسان جاوید نے اس کے سر پر پیار دیا۔ نفیسہ نے خاندانی زیور اس کو دیا۔ ساتھ دعا دی۔

”سدا سہاگن رہو۔“

ان کے جانے کے بعد وہ دلہن بنی بستر پر بیٹھی بازف کا انتظار کر رہی تھی۔ بازف آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ”اگر اجازت ہو تو اب ہاتھ پکڑ سکتا ہوں۔“

اس نے شرما کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کا ہاتھ سہلاتے ہوئے۔

”مجھے تو ازل سے یقین تھا تم میری ہو۔“

اس کی بات کو پورا کرتے ہوئے عائشہ۔

’’کیونکہ میں بھی اصولوں کے لیے سب کشتیاں جلا کر آئی تھی اور آپ نے بھی اصولوں کے لیے خون بہا دیا تھا۔اس لیے ایک جیسے ہی لوگ تو ملتے ہیں۔جو جیسا ہوتا ہے اس کو ویسے ہی لوگ ملتے ہیں۔‘‘

’’تم مجھے ایک بات بتاؤ تمہیں اس رات مجھ سے ڈر نہیں لگا۔یوں بیٹھی رو رہی تھی جیسے میرا وہاں وجود ہی نہ ہو۔‘‘

’’چونکہ میں سب کچھ لٹا کر آئی تھی۔تم میرے ساتھ کچھ نہیں کر سکتے تھے۔پہلے ہی لوٹے ہوئے لوگوں کو مزید کوئی لوٹ نہیں سکتا۔یہ قدرت کا اصول ہے۔اگر تم کچھ کرتے تو کوئی اور مجھے بچانے آجاتا اور میں اس کے نصیبوں میں لکھی جاتی۔‘‘

’’مجھے پتہ ہے تم میری آزمائش کا انعام ہو جو اس نجومی کو سمجھ نہیں آیا تھا۔‘‘

اس کی بات پوری کرتے ہوئے عائشہ۔’’ہر رات کے بعد صبح ضرور ہوتی ہے۔‘‘

وہ اس کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔اور وہ مسکرا رہی تھی۔

یوں زہر کا پیالہ پی کر شفیق احمد مر کر زندہ ہو گیا تھا عائشہ اور توصیف احمد کی شکل میں۔

✪ ......ختم شد...... ✪